تبلیغ اسلام

تالیف

امام اہلسنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

ناشر
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (الآیۃ) "قرآن کریم"

والّذی نفسی بیدہٖ لتامُرُنّ بالمعروف ولتنھون عن المنکر (الحدیث)

؎

حق نے کر ڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اَوروں کو تڑپانا بھی ہے!

تبلیغ اِسلام

جس میں قرآن کریم اور حدیث شریف کے روشن حوالوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت، صداقت، اسلام، طریقۂ تبلیغ، امتِ مرحومہ کی حق گوئی، جماعتی زندگی کا مفہوم، مبلّغین کا رتبہ، ہستیٔ باری تعالیٰ کا عقلی و نقلی ثبوت، ایمان مفصّل کی ضروری تشریح و غرض رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا رتبہ اور شان اور کتب سابقہ سے آپ کے حق میں بشارت، اور آپ سے پہلے دُنیا کی حالت اور اس سلسلہ کے کئی دیگر اہم مسائل و احکام نہایت سلجھے ہوئے رنگ میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب خالص تبلیغی اور اصلاحی جذبہ سے لکھی گئی ہے۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ ط

احقر

ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ

نام کتاب .... تبلیغ اسلام
مصنف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر
طبع ششم .... جنوری ۲۰۰۵ء
تعداد .... گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت .... ۳۰ / روپے
مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور
ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

- ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی نمبر ۱۶
- ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
- ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
- ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی
- ☆ اسلامی کتب خانہ ایبٹ آباد
- ☆ مکتبہ صدیقیہ حضرو اٹک
- ☆ مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

اِنتساب

راقم اثیم اپنی اس کتاب کو جمعیۃ علماء اسلام کے ان اکابر کے نام پر منسوب کرتا ہے جن کے امیر اس وقت حضرت مولانا حافظ الحدیث محمد عبد اللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم ہیں۔ یہ وہ گروہ ہے جس کے عقائد و اعمال عین اسلام کے مطابق ہیں۔ اور اپنی دانست کے مطابق یہی وہ طائفہ ہے۔

جو

قرآن و سنّت کا داعی، فقہ و تصوّف کا مبلغ اور علومِ اسلامیہ کا علمبردار ہے اور علماً و عملاً، تدریساً و تالیفاً، تقریراً و تحریراً ہر لحاظ سے حق کی صدا کو بلند کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے اور دینی تفوق کے علاوہ بفضلہ تعالیٰ سیاسی شعور بھی علیٰ وجہ الاتم رکھتا ہے اور بقدرِ وسعت تبلیغِ دین کا فریضہ ادا کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اور ترقی عطا فرمائے کیونکہ ؎

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

ابو الزاہد

فہرستِ مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَاَرْسَلَ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِمْ كُتُبًا وَّجَعَلَهُمْ هُدَاةً لِّلنَّاسِ خُصُوْصًا سَيِّدَ الرُّسُلِ وَخَاتَمَ الْاَنْبِيَاءِ فَصَلَوٰتُ اللّٰهِ وَتَسْلِيْمَاتُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اَلَّذِيْنَ هُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ وَالَّذِيْنَ بَذَلُوا الْوُسْعَ فِيْ اِقَامَةِ الدِّيْنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّتَّبِعِيْهِمْ اٰمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ○

پیش لفظ

اِسلام ایک ابر کرم تھا جو عرب کی ایک وادیٔ غیر ذی زرع سے اُبلا اور شمال و جنوب میں موجیں مارتا مشرق و مغرب کے دُور اُفتادہ علاقوں پر فیض و عطا کی بارش برساتا، تہذیب و تمدّن کے جواہر لٹاتا اور علم و حکمت کے خوشنما پھُول کھلاتا چلا گیا۔ تمام قوموں کی قدیم تہذیب چند سال میں بدل گئی۔ دُنیا کی تاریخ کا نقشہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ ایک طرف افریقہ کے صحراؤں میں اور دوسری طرف

چین کے میدانوں میں توحید و سُنّت کے نعرے گونج اُٹھے۔ روما کے عظیم الشان گرجوں
جرمنی کے فلک بوس عبادت خانوں اور انگلستان کے عالی مرتبت کلیساؤں میں اللہ اکبر
کے مخلصانہ نعروں نے پادریوں کو لرزا دیا۔ ہنگری اور بوسینا کے شہروں
اور آبادیوں میں اذانِ اسلامی کے خوشگوار اور دلچسپ لہجوں نے خوابِ غفلت
میں مدہوش لوگوں کے کانوں کو سرمست کیا۔ اسلام کی ہیبت اور محمدی بجلی
کی کڑک نے یورپ کے سنگدل بادشاہوں کے کلیجہ کو کپکپا دیا اور فدایانِ اسلام
نے یورپ کی بیشتر حصّہ میں اسلامی جھنڈے اور ہلالی پھریرے اُڑاتے ہوئے
دُوَلِ یورپ کے متکبّرانہ گردنیں خم کر دیں اور یورپ کے سفید بھیڑیوں سے ایشیا
کی بھولی بھالی بھیڑوں اور بکریوں کی حفاظت کرتے ہوئے یورپ کی وحشی اور
خونخواروں کی تلواروں اور نیزوں سے اپنی چھاتی کو چھلنی کرایا۔ کفر و شرک ظلم و جور
اور خواہشاتِ نفسانی سے اٹی اور بھری ہوئی بنجر زمین کو اسلام کی
عمدہ اور پاکیزہ تعلیم اور عالی اخلاق کی بدولت سرسبز و شاداب کیا۔ حتیٰ کہ اسلام کی
شرابِ طہور پینے والوں نے اپنا سر ساقیٔ حجاز کے قدموں پر رکھ دیا۔

اے غیور مُسلم! تُو نے خداداد قوت اور شوکت سے اسلامی اقدار اور محاسن کو
شرق سے غرب تک پھیلایا تھا، تقویتِ اسلام اور ہمدردیٔ خلائق میں بے حد
دلچسپی لی تھی، تُو نے حمایتِ اسلام میں فقط اپنی جان ہی نہیں بلکہ اہل و عیال اور
عزّت و مال کی بے پناہ قربانیاں پیش کر کے شجرِ اسلام کو سینچا اور ثمر آور بنایا تھا
قرآن و سنّت اور اخلاقِ حسنہ کی پاسبانی کی تھی تو توحید و سُنّت اور مکارم و روحانیت
کا پُرزور مبلّغ اور حامی تھا اور تو شرک و بدعت اور قبائح اور نری مادیّت کا قامع

اور محافظِ آیئن ختمِ نبوّت رہا۔ پھر آج تُو دنیا کی نگاہ میں کیوں اتنا حقیر ہے؟ دنیا
میں تیری ساکھ اور قدر و قیمت کیوں نہیں رہی؟ دُنیا تیرے ساتھ کئے ہوئے وعدوں
کو کیوں بالائے طاق رکھ رہی ہے؟ اگر تو بُرا نہ مانے تو اس کا جواب بھی عرض
کر دیا جائے!

اے مُسلم! جب سے تو اقامتِ دین میں سُستی اور حفاظتِ اسلام میں کاہلی کرنے
لگا اور جب سے تُو نے توحید و سُنّت سے اغماض و بے اعتنائی کی اور جب سے تُو
شب و روز عیش و راحت پسندی میں گزارنے لگا اور جب سے تیرے روشن دل سے
حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی اور رعایت نیست و نابود ہونے لگی اور جب سے باغِ
عدل و انصاف میں تیرے ظلم و عصیان کی بادِ صرصر اور آندھی چلنے لگی تو ٹھیک اسی
وقت سے تیری عزّت و آبرو اور جاہ و جلال کے سبزہ زاروں پر تیری غفلت اور
بے پروائی کی وجہ سے قہرِ خداوندی کی ژالہ باری اور برف باری ہونے لگی اور اطاعتِ
رسول ؐ کے خوشنما چمن میں نسیم سحری کی بجائے بادِ خزاں چلنے لگی اور اُسی وقت سے
تُو خدا شناسی اور قوّتِ اخلاق کے صحیح جذبے سے عاری ہو گیا، اور تیری رہی سہی ساکھ
خاک میں ملنے لگی۔ تیرا آئینہ کی طرح صاف و شفاف دل اندھیری رات کی طرح تیرہ و
تاریک ہو گیا۔ آہ تُو کون تھا اور کیا ہو گیا! ع

کیسے بیاں کروں یہ حکایت دراز ہے

اے غیور مسلم! تیری رُوح کیوں مُردہ ہو چکی ہے؟ اور کیوں تیری روحانیت اور
اسلامی قدریں نابود ہو چکی ہیں؟ تیرے عمدہ اخلاق کے تو دُنیا میں چرچے تھے جو
صفحاتِ تاریخ میں زرّیں حروف میں لکھے ہوئے آج بھی چمک رہے ہیں۔ تو ہی بتا کہ

تیری مدفون عزّت و شہرت اور دینی حمیّت کو کون زندہ کرے گا؟ اور تیرے اعلیٰ ترین
اخلاق کی چمکدار اور قاطع تلوار جس کی ایک ہی ضرب سے عصیان و تعدّی بدی و بدکرداری
کا مغرور سر قلم ہو جاتا تھا، آج کیوں نیام میں بند ہو کر رہ گئی ہے؟ اے حریت و استقلال
کے مجسّمے! تُو کیوں غیروں کی ذہنی غلامی کا شکار ہو کر رہ گیا ہے؟ اور کیوں اہلِ مغرب
کی بے جا تقلید کے عمیق گڑھے میں گر چکا ہے؟ اور کیوں ان کے مکر و خداع کے دام
ہمرنگِ زمین میں اُلجھ کر رہ گیا ہے؟ تو ہی بتا تجھے عزّت و آبرو کی اعلیٰ وارفع سطح اور بامِ
عروج پر کون لا کھڑا کرے گا؟ اے بہادر مسلم! تُو اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو اور متلاطم خیز طوفانی
موجوں کا مردانہ وار مقابلہ کر اور مادہ پرستوں سے یوں کہہ کہ ؎

نہیں ڈر کچھ حوادث کا دلِ جرأت بداماں کو
یہ ساحل جذب کر لیتا ہے ہر اک موجِ طوفاں کو

اے خوابِ غفلت میں مخمور مسلم! تجھے معلوم نہیں کہ دُنیا دار العمل، دار الامتحان اور مزرعۃ الآخرۃ
ہے اور تجھے خبر نہیں کہ یہ عالم سراپا سراب، بے ثبات اور بے قرار
ہے اور تجھے یقین نہیں کہ اگر خلود و ابدیت حاصل ہے تو عقبیٰ و آخرت کو، اور
اگر بقا و پائداری ہے تو محض اس جہان کی سرمدی زندگی کو۔ تُو اپنی عارضی اور فانی
زندگی کو سنوارنے کے لیے سو جتن کرتا ہے اور اس بے وفا دُنیا کی ترقی کے لیے
تو سینکڑوں اعمال و اشغال اختیار کرتا ہے اور دن رات تیری تمام تر عملی
قوتیں اور جمیع سرگرمیاں اسی مرکز کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہیں۔ مگر مذہب اسلام،
عقل و بصیرت اور فہم و دانش کا تقاضا اور فطرتِ صحیحہ کا (بشرطیکہ وہ مُردہ نہ ہو
چکی ہو) مطالبہ یہ ہے کہ تُو حیاتِ ابدی اور حقیقی زندگی کے حاصل کرنے کے

لیے بلیغ کوشش اور ہر ممکن سعی سے کام لے اور عقبیٰ کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے
میں کوئی کسر فروگذاشت نہ کر اور صرف اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا اور دین کی سچی پیروی
اور اطاعت کر، تاکہ مرنے کے بعد غیر متناہی زمانہ میں تو امن و اطمینان اور نشاط و انبساط
کے ساتھ رہے اور ابدی زندگی میں ہمیشہ کے لیے تو بے حزن و ملال اور بے خوف و
خطر رہے۔ اور رضائے الٰہی حاصل کر کے اپنی عاقبت کو محمود و مستحسن بنا تاکہ وقتِ وفات
تیری یہ کیفیت ہو کہ تیرے ماں اور باپ اعزّہ و اقارب تیری جدائی اور فراق کے صدمہ
سے رو رہے ہوں اور تو اپنے محبوبِ حقیقی کے لقاء اور جنت کی خوشیوں اور رحمت و خوشنودی
کی بشارت کو سُن کر اور بچشمِ خود اس کا نقشہ دیکھ کر مُسکرا رہا ہو جیسا کہ تیری ولادت کے
وقت تیرے تمام اقارب فرحاں اور خنداں تھے اور تُو رو رہا تھا۔ کسی عارف کامل نے
اس کی کیا ہی اچھی تصویر پیش کی ہے کہ ؎

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو
ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مُردنِ تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

تیری خوش بختی صرف اسی میں ہے کہ تُو اپنی مستعار زندگی کو رضائے الٰہی اور
اتباعِ سُنّت کے لیے وقف کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں خوابیدہ فطرت کو بیدار
کرے اور اپنی قبر اور آخرت کی فکر کرے۔

خیرُ الاُمم

نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ اس اُمّتِ مرحومہ کا درجہ، رُتبہ اور شان تمام اُمتوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا فریضہ سب اُمّتوں سے بڑا اور اس کا کارنامہ سب سے اعلیٰ اور اہم ہے اور اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس	تم سب سے بھلی اُمّت ہو جو لوگوں کے لیے
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	بھیجی گئی تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بُرائی
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (الآیۃ)	سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر
(پ۴۔ آلِ عمران۔۱۱۰)	ایمان لاتے ہو۔

یعنی اس اُمّت کے بہتر اور اعلیٰ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوگی، قوت و شوکت ہوگی، اقتدار و سلطنت کی باگ ڈور ہوگی، یہ سب چیزیں محض ضمنی بالتبع اور سایہ ہیں اس امّت کی اصل فضیلت اور برتری کے مقابلہ میں یہ بالکل ہیچ ہیں۔ اس اُمّتِ مرحومہ کی حقیقی بہتری کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے سبب بہتر ہے اور خیر خواہی اور ہمدردی کی وجہ بھی بیان فرما دی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں بہی خواہی ان کے اُسوہ میں داخل ہوگی۔ چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے بعد تا قیامت کسی کو نبوّت اور رسالت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا اور دینِ اسلام قیامت تک باقی رہنے والی ایک انمول اور

گراں مایہ دولت ہے، اس لیے کارِ نبوّت کا گراں بوجھ اُمّتِ مرحومہ کے ایک ایک فرد کے کندھے پر ڈال دیا گیا ہے کہ اب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ یہ امّتِ مرحومہ ادا کرے گی اور اس وجہ سے یہ تمام اُمّتوں پر فوقیت لے جائیگی اور اسی سبب سے یہ خیر الامم اور بھلی اُمّت قرار پائے گی، گویا خود ہی نیکی نہیں کرے گی بلکہ بھٹکی ہوئی اور گمراہ دنیا کو نہایت دِل سوزی اور اخلاص کے ساتھ راہِ راست پر لانے کے لیے اپنی قیمتی جان اور سرمایہ بھی کھپائے گی۔ بُرائی اور بے حیائی اور بدی کو مٹانے کے لیے ہر وقت ساعی رہے گی۔ ؎

حق نے کر ڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اور دل کو تڑپانا بھی ہے

اور دوسرے مقام پر ربّ العزّت نے یوں ارشاد فرمایا ہے :-

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ	اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے
وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	دعوت دی اللہ تعالیٰ کی طرف اور نیک کام
(پارہ ۲۴۔ حٰم السجدۃ ۵)	کیا اور کہا کہ میں حکم برداروں میں ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی الی اللہ کے قول سے بہتر قول اور کلام اور کسی کا نہیں ہو سکتا، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو اور خود بھی اچھے اعمال کا خُوگر ہو اور خدا تعالیٰ کی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طغرائے امتیاز اور روشن نشانی صرف مذہب اسلام ہو اور ہر قسم کی نسبتوں اور الُفتوں سے یک سُو اور بے نیاز ہو کر اپنے مُسلِم خالص ہونے کی منادی کرے — بذاتِ خود اس پر عامل ہو اور دنیا کو اس پر عمل پیرا اور فریفتہ ہونے کی دعوت دے۔

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ (المتوفی ۶۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود اللہ کو توڑنے والوں اور مداہنت کرنے والوں کی یوں مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک قوم ہے جو کشتی (اور جہاز) پر سوار ہے۔ بعض کے حصے میں کشتی کا بالائی حصہ آیا اور دیگر بعض کے حصے میں نچلا حصہ آیا۔ جو زیریں حصہ میں تھے وہ پانی لینے کی غرض سے بالائی حصہ اور طبقہ میں گئے تاکہ پانی لیں۔ لیکن اس بالائی طبقہ والوں نے اس لیے ان کو پانی نہ لینے دیا کہ ان کو اس سے تکلیف اور اذیت ہوتی ہے۔ پانی لینے والوں نے کہا کہ ہمیں تو پانی سے کوئی چارہ نہیں لہٰذا ہم پانی ضرور لیں گے۔ انہوں نے تیشہ لیا اور نیچے جاکر اپنے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر اس کشتی یا جہاز پر سوار ہونے والے بالائی طبقہ والے ان احمق لوگوں کے ہاتھ پکڑ لیں تو خود بھی نجات حاصل کر لیں گے اور ان کو بھی تباہی سے بچا لیں گے۔ اور اگر وہ خاموش رہیں (وان ترکوہ اھلکوہ واھلکوا انفسہم۔ بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳۶) اور ان کو نہ روکیں تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور خود بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

گویا اس مثال میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں ساری امت کی عملی زندگی کو کشتی اور اس کے طبقات سے تشبیہ اور مثال دی ہے، جس میں کوئی امیر ہے اور کوئی غریب، کوئی بالادست ہے اور کوئی زیردست، کوئی بالاخانوں میں وقت بسر کرتا ہے اور کوئی تہ خانوں میں، کوئی دیگر ضروریات سے فارغ البال ہونے کے علاوہ پانی سے بھی خوب متمتع ہو رہا ہے اور کوئی پانی تک کو ترستا ہے۔ غرضیکہ اعمال کے مختلف مراتب اور درجات میں رہ کر وہ اپنی عارضی زندگی گذار

رہے ہیں اور یہ جہاز یا کشتی خواہشات و لذائذ، مرغوبات اور مالوفات کے گہرے سمندر یا دریا میں حرکت کر رہی ہے۔ اگر بالائی طبقے والے جن کی روح میں رفعت اور بلندی ہے، نچلے طبقے والوں کو جن کے مزاج اور سوء استعداد میں قدرے پستی اور دناءت ہے، کشتی میں سوراخ کرنے سے نہ روکیں گے اور اس موقع پر حماقت کا ثبوت دیں گے، تو نتیجہ اور انجام بجز ہلاکت و خسران کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس لحاظ سے گناہ اور جرم کرنے والے گویا امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کشتی یا جہاز میں سوراخ کر رہے ہیں مگر صد افسوس کہ بایں ہمہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پکے مسلمان اور قوم و ملت کے ناخدا اور رہنما ہیں ؎

بڑا اندھیر ہے اکثر مسلماں یہ سمجھتے ہیں
کہ بد اعمال ہو کر بھی مسلمانی نہیں جاتی

حضرت حذیفہؓ (المتوفی ۳۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

والذی نفسی بیدہ لتأمرنّ بالمعروف ولتنھونّ عن المنکر اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذابًا من عندہ ثم لتدعنّہ ولا یستجاب لکم (ترمذی ج ۲ ص ۳۹ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳۶)

اس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے اور یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب مسلط کرے گا پھر تم اس کو پکارو گے مگر تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔

صداقتِ اسلام

قرآنِ کریم، مذہب اسلام اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور صداقت اہلِ اسلام کے نزدیک تو ایک مبرہن اور واضح امر ہے جس میں ان کو کسی قسم کا کوئی ادنیٰ سا شک وشبہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اسلام کی سچائی قرآن کریم کی دلآویزی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص اور للّٰہیت اِس قدر نمایاں اور اس قدر داشگاف ہے کہ غیر مسلم بھی اس کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے مقام پر بالکل روشن ہے کہ:-

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ط — بے شک دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

(پ۳ - آل عمران - ۲)

یعنی اگرچہ تمام پیغمبر اللہ تعالٰے کی طرف سے مذہب اسلام ہی لے کر آئے تھے۔ کیونکہ اسلام کا معنیٰ انقیاد وتسلیم ہوتا ہے اور یہ سب میں مشترک تھا۔ لیکن حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا میں سب ملل واقوام کو جو اکمل، جامع ترین، عالمگیر بے مثل اور ناقابلِ تنسیخ احکام اور ہدایات سے روشناس کیا، وہ اصولی طور پر تمام شرائع سابقہ حقّہ پر مشتمل ہونے کے باوجود شئے زاید پر بھی حاوی ہے۔ اور اپنی اسی جامعیت اور ہمہ گیر اثر کی وجہ سے اس آخری مذہب کا نام اور لقب اسلام رکھا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ جس کے دعاوی بڑے روشن اور دلائل وبراہین ایسے محکم اور اٹل ہیں جن کے سامنے باطل کا کوئی دعوےٰ اور کوئی

دلیل لمحہ بھر کے لیے نہیں ٹھہر سکتی۔ اب پیروانِ اسلام کے لیے قیامت تک قانونِ اسلام کے سوا کوئی دوسرا قانون سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں۔ مگر ہزار افسوس کہ مغربی تہذیب وتمدّن کی نیرنگیوں نے عام لوگوں کی آنکھیں بالکل خیرہ کر دی ہیں ؎

حقیقت میں جدھر دیکھو تنزّل ہی تنزّل ہے
ترقی کی طرف تہذیبِ انسانی نہیں جاتی

غیر مُسلموں کا اقرار

ہم ذیل میں چند غیر مُسلموں کے مختلف طبقات کے بعض اقوال ہدیۂ قارئینِ کرام کرتے ہیں جن سے ہر سمجھدار آدمی بخوبی حقیقت کی تہ تک پہنچ سکتا ہے، جن میں انگریز، روسی، ہندو اور سکھ وغیرہ سبھی شامل ہیں جنہوں نے قرآن مجید، مذہبِ اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی عبادات کے متعلق مختلف انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

(۱) مسٹر ڈی رائٹ، انگلستان کا مشہور مضمون نگار "اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا" فروری ۱۹۲۰ء میں لکھتا ہے کہ:-

وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اپنی ذات اور قوم کے لیے نہیں بلکہ دنیائے ارضی کیلئے ابرِ رحمت تھا۔ آپ نے مدّتوں مساعدت کا سلسلہ جاری رکھا اور سر توڑ کوشش کی کہ ذات پات کا تفرقہ مٹ جائے اور یہی سبب ہے کہ آج اسلام کے اندر ذات، نسل اور قوم کے امتیاز کا کوئی نام ونشان نہیں ہے،

دشمنانِ احمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) باوجود تعصّب میں اندھے ہونے کے اس کے اقرار پر پابہ زنجیر ہیں کہ اس نے اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں جس نے احکامِ خداوندی کو اس مستحسن طریقہ سے انجام دیا ہو جیسا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) نے اپنے فرائض کو پایۂ تکمیل تک بوجوہ احسن بجا لایا ہے"۔

(۲) مسٹر اسٹینلی لین پول، یورپ کا زبردست محقق اپنی تصنیف اسپیچز آف محمد میں لکھتا ہے کہ:۔

"حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلّم) نہایت با اخلاق اور رحمدل ریفارمر تھے ان کی بے ریا خدا پرستی، عظیم فیاضی مستحق تعریف ہے۔ آپ اس قدر انکسار پسند تھے کہ بیماروں کی عیادت کو خود جایا کرتے تھے، غریبوں اور غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے تھے، مسکینوں سے بہت محبت کرتے تھے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے، بکریوں کا دودھ خود دوہتے اور اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ بے شک وہ مقدس پیغمبر تھے"۔

(۳) مسٹر ہربرٹ وائیل، یورپ کا منصف مزاج مؤلف اپنی کتاب گریٹ ٹیچرز میں لکھتا ہے کہ:۔

"حضرت مسیح (علیہ السلام) سے (تقریباً) چھ سو برس بعد عرب کی اخلاقی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی۔ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلّم) پیغمبر پیدا ہوئے جنہوں نے بت پرستی کو بالکل مٹایا اور عرب کے وحشیوں کو متمدن بنا دیا۔ عام لوگ ان کی سچائی و دیانتداری کے سبب آپ کو الامین کہہ کر

پکارتے تھے۔ اُنہوں نے گمراہوں کو راستہ بتایا اور لوگوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کی"۔

(۴) انگلستان کا مشہور عقلمند سر ولیم میور لکھتا ہے کہ:۔

"محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی سادہ لیکن نہ مٹنے والی تعلیم جو آج ہر جگہ نظر آ رہی ہے، ایک عجیب و غریب اور زبردست و حیرت انگیز اثر دکھایا ہے"۔

(۵) لفٹننٹ کرنل سائکس لکھتا ہے کہ:۔

"حضرت محمد صاحب (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی اخلاقی جرأت، نہایت خلوصِ نیّت، سادگی، رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر انہی صفات کے ساتھ استقلالِ عزم اور حق پسندی و معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"۔

(۶) مسٹر ای۔ اے فری مین کا بیان ہے کہ:۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) بڑے پکّے باوقار راست اور سچے ریفارمر تھے۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے مقدس مشن میں آخر تک مستقل اور ثابت قدم نہ رہ سکتے"۔

(۷) یورپ کا مشہور فلاسفر اہلِ قلم کارلائل لکھتا ہے کہ:۔

"اللہ اللہ اُن کی مثال کیا؟ ان کی ذات ایک چنگاری کی طرح تھی جو سیاہ و غیر معلوم ریت پر گری اور پھر وہ ریت شعلہ افشانی کرنے لگی حتّٰی کہ دہلی سے قرطبہ تک بلکہ آسمان سے زمین تک نور ہی نور دکھائی دینے لگا"۔

(۸) روس کا بلند پایہ محقق کاؤنٹ طالسطائی، اپنی بہترین کتاب "بیرین آف اسلام"

میں لکھتا ہے کہ :-

"محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی پر محققانہ و فلسفیانہ نظر ڈال کر مجھے اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامّل نہیں ہے کہ بلاشک وہ سچے پیغمبر اور کروڑوں بندگانِ خدا کے ہادی و رہبر ہیں۔ انہوں نے گمراہ لوگوں میں نُورِ ایمان پیدا کیا، ان کے دلوں میں حق پسندی و صداقت کا جذبہ پیدا کیا انہوں نے اعلان کیا کہ خدا ایک ہے اور اس کے نزدیک سب انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و بڑائی نہیں ہے۔ حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت ہی متواضع، خلیق، روشن فکر اور صاحبِ بصیرت پیغمبر تھے۔ لوگوں سے بہت ہی عمدہ معاملہ کرتے تھے"۔

(۹) ڈاکٹر مارکس ڈاڈ مشہور محقق اپنی کتاب "محمدؐ، بدھ اینڈ مسیحؑ" میں لکھتا ہے :-

"حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ آپ کے نزدیک دُنیوی وجاہت کوئی چیز نہ تھی۔ آپ امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ آپ کی ذات سرچشمۂ خیر و برکت تھی۔ آپ نہایت صابر و شاکر اور انکسار پسند تھے، آپ نے بت پرستی مٹا کر خدا پرستی کی نیک تعلیم دی اور وہ بیشک ایک کامیاب ریفارمر تھے"۔

(۱۰) ہندوستان کا مشہور و معروف اور ہندوؤں کا ہر دلعزیز لیڈر اور ان کا مہاتما مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی (المتوفی مقتولاً ۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء) کا بیان ہے کہ :-

"مغربی دُنیا اندھیرے میں غرق تھی۔ ایک روشن ستارہ اُفقِ مشرق سے چمکا اور اس نے بے قرار دُنیا کو روشنی اور تسلّی کا پیغام دیا۔ اسلام جھوٹا مذہب نہیں۔ ہندوؤں

کو کھلے دل سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے، پھر وہ بھی میری ہی طرح اس کی محبت کرنے لگیں گے"۔ (ینگ انڈیا)

نیز گاندھی جی نے ایک خاص موقع پہ کہا کہ :-

"اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ اگر اسلام سچا نہ ہوتا تو کب کا صفحۂ ہستی سے نابود ہوگیا ہوتا"۔ (بحوالہ اخبار آزاد لاہور ۲۷ نومبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱)

(۱۱) مسٹر پی۔ ایس کشالیہ ڈپٹی انسپکٹر کہتا ہے کہ :-

"بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سچے پیغمبر تھے۔ سچے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق میرے دل میں جس قدر بدگمانیاں تھیں، میں روحِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے معافی مانگتا ہوں اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج دُنیا میں ایک شخص کی بھی مجال نہیں کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیرکٹر پہ ایک بھی سیاہ داغ لگا سکے"۔

(۱۲) ایک سکھ فاضل سردار پریتم سنگھ کا بیان ہے کہ :-

"میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ جو نبی کہہ رہا ہو، کچھ اور ہو، اور اُس کے دل میں کچھ اور ہو اور پھر وہ نبی تمام قوّت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرے کہ مَیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خدا کا رسول ہوں۔ مگر وہ اپنے کام میں ثابت قدم رہے اور آخر کامیاب ہو کر دم لیا۔ کوئی یقین دلا سکتا ہے کہ تیس کروڑ بلکہ چالیس کروڑ (اور اس وقت تقریباً ایک ارب بلکہ اس سے بھی زیادہ ـ صفدر) مسلمان جو آج قرآن مجید کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سچا ایمان رکھتے

تھے، وہ تمام لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایک جھوٹی بات پر اپنے ایمان کو جمایا آپ
کے احکام پر ایک (بھاری) دُنیا اپنا سر جھکاتی ہے۔ گزشتہ تیرہ سو سال سے
مومنین ہر روز کم از کم پانچ بار محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) کا نام مبارک
اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ کوئی مجھے بتائے کہ یہ طاقت کہاں سے آئی؟
کیا یہ الٰہی طاقت نہیں ——— ؟"

(۱۳) شری راج وید پنڈت گنگا دھر پرشاد شرما رئیس اعظم الہ آباد کہتے ہیں کہ:۔

"میں ایک راسخ العقیدہ ہندو ہوں لیکن میں نے ہندو عیسائی اور اسلامی مذاہب
کے بانیوں کے حالاتِ زندگی کو اپنی بہترین توجّہ کا مزاج دیا ہے اور میں اس
اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام دنیا کا بہترین مذہب ہے اور میں بانگ دہل اعلان
کرتا ہوں کہ میری رائے میں اگر کسی مذہب کو اخوّت باہمی، اخلاق، تہذیب اور اتحاد
کی دولت فراوانی اور کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے تو وہ تمام مذاہب کا سردار
اسلام ہے۔ اسلام کی فیاضی اور کشادہ دلی اس کا امتیازی نشان ہے۔ وہ بلا لحاظ
اس بات کے کہ کوئی امیر ہے یا غریب سب کو اپنی شفیق آغوش میں پناہ دیتا ہے
اس کے دروازے سب کے لیے کھُلے ہوئے ہیں، ہر خیال و رنگ کے انسان اس
کے زیر سایہ آرام و راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اچھوت پن کی لعنت دور کرنے
کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے۔ پیغمبر اسلام تمام اوصافِ حَسنہ کے
مجسّمہ تھے۔ مسلمان فطرۃً روحانیت پسند واقع ہوئے ہیں، انہیں مذہب و اخلاق
سے خاص لگاؤ ہے":۔

(یہ جملہ اقتباسات کتاب سیرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم (مصنّفہ مولانا

عتیق احمد صاحب سے ماخوذ ہیں، بجز ۱۳ کے حوالہ کے جو اخبار آزاد سے ماخوذ ہے

(۱۴) آنریبل سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"مسلمانوں کا اپنی خاص کتاب (قرآن مجید) کا ہماری کتبِ مقدّسہ کے اختلافِ
عبارات سے مقابلہ کرنا ایسی چیزوں کا باہم مقابلہ کرنا ہے جن کے حالات اور اصلی
اُمور میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔" (حاشیہ لائف آف محمدؐ جلد اوّل ص۱۵)

اور نیز لکھتے ہیں کہ:۔

"اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور ان کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایاتِ قدیم
اکثر اصحابؓ، حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی حیات ہی میں بڑی صحت کے ساتھ
تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے۔" (لائف آف محمد جلد اوّل ص۵ مطبوعہ لندن سال ۱۸۶۱ء)

(۱۵) مشہور مستشرق پروفیسر براؤن کہتا ہے کہ:۔

"تہذیبِ عالم میں مسلمانوں نے جس قدر شاندار اضافہ کیا ہے وہ صرف
اسلام کا طفیل تھا، وہ اسلام جس کی سیدھی سادی مگر اعلےٰ تعلیم کو کوئی بے تعصّب
محقّق نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

نیز براؤن ہی لکھتا ہے کہ:۔

"قرآن مجید کا میں جتنا مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو اکتساب کرنے کی
کوشش کرتا ہوں، اسی قدر مجھے اس میں زیادہ لطف آتا ہے۔"

(۱۶) ڈریپر کا قول ہے کہ ——— مسلمان بزدل، وحشی اور ظالم نہیں تھے بلکہ شجاع
خلیق اور عادل تھے۔

(۱۷) مشہور فرانسیسی فلاسفر موسیو رینان مسجد میں جماعت کی تنظیم کو دیکھ کر کہتا ہے کہ

"میں اپنی زندگی میں جب کبھی میں مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہوا ہوں میں نے اپنے اندر اسلام کی طرف ایک خاص کشش محسوس کی ہے بلکہ مجھے اپنے مسلمان نہ ہونے پر افسوس ہوا ہے۔"

(یہ اقتباسات اخبار کوثر لاہور ۱۹ محرم ۱۳۶۵ھ / ۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء ص ۷ سے ماخوذ ہیں۔)

قارئین کرام! غیر مسلموں کے یہ چند اقتباسات بطورِ نمونہ نقل کئے گئے ہیں ورنہ ابھی بہت سے حوالجات اور بھی پیشِ نظر ہیں۔ اگر کتاب کے حجم کے بڑھ جانے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم ان کو بھی ہدیہ ناظرین کرتے لیکن محدود وسائل اور محصور ذرائع کے تحت پھر اس انسائیکلوپیڈیا کی طباعت بڑی مشکل ہو جاتی، اس لیے سردست انہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ غور فرمائیے کہ قرآن کریم، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور اہلِ اسلام کی صداقت و دیانت، بلند کرداری اور استقلال، رفعتِ شان اور جلالتِ قدر، عالی ہمتی اور مخلوقِ خدا کے ساتھ دلسوزی اور ہمدردی کے ثبوت پر غیر مسلموں کی یہ کس قدر وزنی شہادتیں ہیں۔ اس سے بڑھ کر اسلام کی صداقت کی اور کیا شہادت درکار ہے؟ سچ ہے ع الفضل ما شهدت به الاعداء

مبلّغ کا رتبہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقام وہ بلند مقام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو انتخاب فرمایا ہے، اگر اس سے بڑھ کر کوئی اور بہتر منصب ہوتا تو اللہ تعالیٰ وہ ان حضرات کو مرحمت فرماتا۔ اور یہ ایک امرِ واقعی

ہے کہ اس سلسلہ میں ساری دنیا کی دولت کما کر بھی وہ لذّت و عیش و نشاط و سرور اور وہ انبساط و انشراح ایک لمحہ بھر کے لیے حاصل نہیں ہو سکتا جس کو بندگانِ خدا اپنا سب کچھ کھو کر حاصل کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ یقینی طور پر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ راہِ حق میں توحید و سنّت کی دعوت دیتے ہوئے ایک فاقہ مست مبلّغ اپنے نازک پاؤں کے تلووں میں کانٹے چبھا کر جو لذّت و سرور حاصل کرتا ہے، وہ دنیا و مافیہا کے خزانوں سے اسے زیادہ عزیز ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر ایک انسان کو بھی اس کے ربِّ حقیقی سے ملانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ مال و جان کے نقصان کو نقصان و زیاں نہیں سمجھتا بلکہ یقینِ کامل رکھتا ہے کہ یہ ضیاعِ وقت نہیں بلکہ کامرانیوں اور شادمانیوں کا تاج و تخت ہے۔ یہ زیان نفس و مال نہیں بلکہ فوز و فلاح ہے یہ شکست نہیں بلکہ فوز و مراد کی فتح ہے اور حصول و وصول کی بشارت ہے۔ یہ لٹنا نہیں لوٹنا ہے۔ یہ کھونا نہیں پانا ہے، یہ دینا نہیں لینا ہے، یہ خسران نہیں نرا نفع ہے اور اس نیک مقصد میں موت موت نہیں بلکہ حیاتِ جاودانی ہے۔ اس لیے کہ اس کی ایک قربانی سے ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے قلوب اور روحیں سنورتی ہیں۔ اس شوق میں وہ اپنے اندر اور اپنے سے باہر جو کچھ بھی رکھتا ہے سب کو اسی غرض کے لیے لٹا دیتا ہے اور فرشِ خاک کو وہ اپنے لیے مرصع تخت سمجھتا ہے اور بخیہ زدہ اور کرم خوردہ کمبل کو تاجِ شاہی سے کم نہیں جانتا اور اس پر وہ شاداں ہوتا ہے کہ ؎

بستر اخاک کا دو پارچے کمبل کی کلاہ
تاجِ خسرو ہے یہی تختِ سلیماں ہے یہی

ہمارے اسلاف نے اسلام کی تبلیغ و خدمت میں جس قدر تن دہی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام عالم اور خصوصاً پاکستان کے مسلمان ان اکابر کے نقش قدم پر گامزن ہوتے ہوئے کامل اور صادق وفاداری اپنے دلوں میں رقم کرلیں اور اصلاحِ عقائد و اعمال اور تردید بدعات و رسوم میں پوری پوری کوشش کریں تاکہ دینِ قویم کی پچھلی عظمتِ رفتہ اور شان پھر عود کر آئے اور اسلام کو اور اس کی بدولت خود مسلمانوں کو ابدی عزت اور سربلندی نصیب ہو جن کا ایک ایک فرد بزبانِ حال دل کی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ ؎

میرا وقت مجھ سے بچھڑ گیا میرا رنگ و روپ بگڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

غفلت و کاہلی

سوچنے کی بات ہے کہ مسلمانوں میں بالعموم اس وقت تبلیغی رفتار کیوں سست ہے؟ اقوامِ عالم کو عذابِ الٰہی سے آگاہ کرنے کے ولولے ان میں کیوں نہیں ابھرتے؟ بشارتِ ربانی سنانے کے لیے ان کی زبانیں کیوں خاموش ہیں؟ رضائے خداوندی کے حصول کے لیے جان کھپانے کے جذبے انہیں کیوں مفقود ہیں؟ فکرِ آخرت کی تڑپ ان میں کیوں عنقا ہے؟ ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثالیں ان میں کیوں ناپید ہیں؟ مذہبی غیرت اور دینی جذبہ کا ان میں کیوں فقدان ہے؟ اخلاقی برتری اور روحانی زندگی سے وہ کیوں نفرت کرتے ہیں؟ دنیا کی فانی اور

ناپائدار زندگی کو وہ ابدی حیات پر بملاً کیوں ترجیح دے رہے ہیں؟ اکثر سحر نگار اہل قلم اور آتش بیان مقرر خالص توحید و سنت کی نشر و اشاعت سے کیوں نامانوس ہیں؟

ان سب امور کا مختصر مگر کافی و شافی جواب صرف یہ ہے کہ اس مادی اور پُر فتن دَور اور نام نہاد تہذیب و تمدن کے زمانہ میں اکثر انسانوں کو اپنے جسم خاکی کی فکر تو ہے مگر صد افسوس کہ رُوح کی فکر بہت کم ہے اور اس کی صحیح اور اصلی غذا سے اکثر لوگ بے فکر و بے پرواہ ہیں۔ عارضی اور فانی زندگی کا خیال اور اس کی بہتری اور برتری کے لیے تگ و دو تو ہر کس و ناکس کو ہے لیکن پائیدار اور ابدی زندگی کا دھیان بہت کم حضرات کو ہے۔ مقامِ حیرت ہے کہ یہ نہایت صاف اور سیدھی سی بات بھی ان کے ذہن میں نہیں آتی اور نہ اس کے تغیر و تبدل کے لیے وہ ساعی اور کوشاں نظر آتے ہیں۔ بر عکس اس کے جو کچھ اور جتنا کچھ بھی وہ کرتے ہیں، اکثر محض اس دارِ غرور ہی کے لیے کرتے ہیں جو مومن کے لیے السجن اور قید خانہ ہے ؎

اِس سرابِ رنگ و بُو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

خود فریبی

انسان کی غفلت اور خود فراموشی، نظر فریبی اور خیرہ چشمی دیکھئے کہ وہ اپنا مادی لباس اور گھر بنانے کی فکر میں تو شب و روز غلطاں و پیچاں ہے مگر وہ

اپنے لباسِ تقویٰ اور اپنی روح کو سنوارنے اور تاریک قبر میں اُجالا کرنے کا کوئی سامان نہیں کرتا۔ ظاہری صفائی تو ہر چیز میں عیاں ہے مگر کاش باطنی طہارت کا نشان تک نہیں۔ رسمی اخلاق اور بناوٹی تبسّم کی تو کوئی انتہا نہیں لیکن حقیقی خندہ روئی جس میں قلبی شفقت بھی جلوہ گر ہو یکسر مفقود ہے۔ لفظی اور نمائشی زبانی ہمدردیاں اور دل سوزیاں تو بہت زیادہ ہیں لیکن قلبی اور قالبی دلگدازی نا پید ہے۔ بغرض قوم کی قوم اور اس کی ساری زندگی اور زندگی کی ایک ایک حرکت، نمود و نمائش، صورت آرائی اور اختراع دکھلاوے اور ریا سے پُر ہے اور یہ سب باتیں اس مادی دَور تہذیب و تمدّن کے مصنوعی اخلاق کا ادنیٰ کرشمہ ہے جس کو آزادیٔ خیال سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور درحقیقت اسی میں قوم کی تباہی مضمر ہے ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اس لیے تمام مسلمانوں کا یہ ایمانی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنالیں اور اپنے کسی بھائی کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شرعی کوتاہی اور کمی کو دیکھ کر ہرگز خاموش نہ ہوں بلکہ خلوت و جلوت، دن اور رات آہستہ اور علانیہ ہر حال میں انتہائی محبّت اور پیار بلکہ منّت اور خوشامد کے ساتھ اُسے دوزخ کی شعلہ زن آگ سے بچانے کی سعیٔ بلیغ کریں تاکہ خدا تعالےٰ کے آخری اور مکمل دین کا گھر گھر چرچا ہو اور ہر ایک خورد و بزرگ حق تعالےٰ کی محبّت اور رضا جوئی میں سرشار ہو کر اور جناب امام الانبیاء خاتم النبیّین محمد

مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر یہ جذبہ اپنے دل میں لے کر اُٹھے کہ اسلام ساری دُنیا میں پھیل جائے اور سب انسان اللہ تعالےٰ کے صحیح معنی میں بندے ہو جائیں اور اپنی ساری جماعتی تنظیموں کا اصلی مقصد ہی اسی تبلیغ دین کو سمجھیں۔ سائنس کی غیر معمولی ترقی اور اُس کے حیرت انگیز فتوحات کے سبب قدرت کی طرف سے آسانی اور سہولت کے سب سامان مہیا ہو چکے ہیں، اب صرف ہماری جد و جہد کے امتحان کا وقت ہے۔ دیکھئے کس خوش نصیب کو اپنے نفس کے سنوارنے کا موقع ملتا ہے ؎

دل میں لگا کے اُن کی لَو، کر دے جہاں میں نشر ضَو
شمعیں تو جل رہی ہیں سَو، بزم میں روشنی نہیں

اِس اُمّت کی حق گوئی

احادیث کے روشن ذخیرہ سے یہ امر بالکل آشکارا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی زمین حق و صداقت کی آواز سے کبھی خالی نہیں رہے گی تاوقتیکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر تمام ادیان و مذاہب باطلہ کو باذن اللہ مٹا کر صرف ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب کا سنہری پرچم نہ لہرائیں جس کا نام اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام۔ اور اس دینِ قویم کی نصرت و تجدید کے لیے اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ سخت سے سخت دورِ طغیان و فساد میں بھی صالحینِ اُمت کی ایک جماعت ضرور ایسی قائم رکھے گا جن کے نفوس و قلب خود اللہ تعالےٰ کی پناہ اور

حفاظت میں ہوں گے اور وہ اللہ تعالےٰ کے بغیر کسی سے خوف نہیں کھائیں گے ان کا دِل صرف ایک ذات سے ڈرے گا جو ڈر کی خالق ہے، اور یہ بالکل ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ جو دِل خدا تعالےٰ سے نہیں ڈرتا وہ دُنیا کی ہر شے سے ڈرنے لگتا ہے، اور ایسے بندگانِ خدا کو کسی قوی سے قوی دشمن کا جور و ستم اور کسی طاقت ور سے طاقت ور مخالف کا کوئی ظلم و عدوان بھی حق گوئی سے نہیں روک سکے گا۔ وہ جانفروش مومن اپنی شمشیرِ صاف گوئی سے گلیم پوش ہو کر بھی فواحشات و منکرات کے فلک بوس مجسّموں کو چکنا چُور کر دیں گے اور ضلالتِ شیطانی کا ان پہ دسترس اور تسلّط نہیں ہوگا اور جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے، وہ ان کو نقصان پہنچانے میں کبھی بامراد و کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ وہ ہر باطل کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر ہولناک طوفانوں کی بے پناہ موجوں سے کھیلتے ہوئے بھی چراغِ ہدایت اور شمعِ اسلام کو روشن رکھیں گے اور نصرتِ الٰہی کی کامرانیوں اور اعانتِ خداوندی کی فتحمندیوں کے ساتھ وہ جاں بازو جاں نثار حق کو باطل پہ غالب کرنے کے لیے اور باطل کو پامال کرنے کیلئے جانِ عزیز کو ہتھیلی پر رکھ کر جامِ شہادت کے متلاشی اور منتظر ہوں گے اور موتِ شہادت کو یوں خطاب کریں گے۔

سہ
اتنا پیغامِ درد کا کہنا ۔۔۔ جب صبا کوئے یار میں گزرے
کون سی رات آپ آئیں گے ۔۔۔ دن بہت انتظار میں گزرے

حضرت امیر معاویہ رضؓ (المتوفی سنہ ۶۰ھ) کی حدیث میں یوں آتا ہے:۔

قال سمعت النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال لا یزال من اُمّتی اُمّۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذ لھم و لا من خالفھم حتّٰی یأتی امر اللہ وھم کذالک (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۳)

فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ میری اُمّت میں ایک گروہ ضرور ایسا رہے گا جو اللہ تعالےٰ کے حکم کو تھامے رکھے گا اس کو وہ لوگ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے جو ان کو رُسوا اور ذلیل کرنے اور ان کی مخالفت پر تلے ہوں گے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا حکم آجائے (یعنی قیامت) اور وہ اسی طرح حق پر قائم ہوں گے۔

اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ رضؓ (المتوفی سنہ ۷۴ھ) کی روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

لا تزال طائفۃ من اُمّتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیٰمۃ قال فینزل عیسٰی بن مریم۔ الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۸۷ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۸۰)

قیامت تک میری امت میں سے ایک گروہ ضرور ایسا رہے گا جو حق کی خاطر قتال و جہاد کرے گا تا آنکہ حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السّلام نازل ہوں۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ دیگر متعدد صحابہ کرام رضؓ سے بھی مروی ہے اس حدیث سے صاف طور پہ یہ واضح ہو گیا کہ اُمّتِ مسلمہ کا ایک حق گو اور حق خواہ طائفہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا اور اس مبارک ٹولہ کی آخری کڑی حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے جُڑ جائے گی جو آسمان سے نازل ہو کر حق کو باطل پہ غالب و منصور کرنے کے لیے شب و روز کوشاں اور ساعی ہوں گے۔ اور ان کی زندگی ہی میں یہ شادمانی ان کو حاصل ہو گی کہ صرف دینِ حق ہی باقی رہے گا اور باقی تمام ادیان مٹ جائیں گے سہ

زمانے کی اُبھرتی ہوئی تہذیبِ جدید
حشر سے پہلے ہی فنا ہو کے رہے گی

یہ اُمّت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی

اگرچہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں مذہبی اور سیاسی مخلصانہ اور خود غرضانہ فتنے اس دھرتی پر ایسے برپا ہو چکے ہیں جن کا تصوّر کرتے ہوئے بھی جسم کانپ جاتا ہے۔ قلم میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے، بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور زبان کو طاقت گفتار نہیں رہتی جن فتن میں کئی ایک بندگانِ حرص و ہوا اجماعِ اُمّت کے جادۂ مستقیم کو چھوڑ کر ضالۃ الغنم بن بھی چکے ہیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ مجموعی حیثیت سے اس اُمتِ مرحومہ کا کبھی بھی ضلالت و گمراہی پر اجتماع نہیں ہوا اور بفضل اللہ تا قیامت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت و نصرت ہمیشہ سے اس جماعت پر رہا ہے اور بمنّہٖ قیامت تک رہے گا۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ (المتوفی ۶۸ھ) کی روایت یوں آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:۔

لا یجمع اللہ اُمّتی علی ضلالۃ ابداً ویدُ اللہ علی الجماعۃ۔ (مستدرک ج ۱ ص ۱۱۶)	اللہ تعالیٰ میری اُمّت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر رہے گا۔

اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ (المتوفی ۷۳ھ) سے بھی آتی ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۳۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۰ اور مستدرک ج ۱ ص ۱۱۵) اور حضرت انسؓ بن مالک (المتوفی ۹۳ھ) سے بھی مروی ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۱۱۶)۔

غرضیکہ متعدّد روایات اس پر پوری طرح روشنی ڈالتی ہیں کہ مجموعی لحاظ سے من حیث القوم یہ اُمّت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی۔ اور چودہ سو سال سے ربِّ قدیر کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ اُمّتِ مرحومہ حق پر ڈٹی رہی ہے:۔

جماعتی زندگی کا مفہوم اور اُس کی اہمیت

بلاشک و شبہ مذہبِ اسلام نے جماعتی زندگی پر بڑا زور دیا ہے اور جماعتی زندگی کے ترک کو اسلامی زندگی کے ترک سے تعبیر کیا ہے، جس کا نتیجہ سوائے خسران اور عذابِ جہنّم کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ (معاذ اللہ) اور حدیث من شذّ شذّ فی النّار (ترمذی ج ۲ ص ۳۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۰) کا یہی مطلب ہے۔ اور دوسری حدیث میں واشگاف الفاظ میں رسولِ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرًا فیموت الا مات میتۃً جاھلیۃً (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)	جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوا اور اسی حالت میں اسکی وفات ہوگئی تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی زندگی اسلامی زندگی کے سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ اسلامی زندگی کی روح ہی یہ ہے کہ مومن کی حیات و موت اسکی عبادات اور نیک عمل صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے ہو اور بس۔ اس کا جو قدم بھی اُٹھتا ہو۔ اپنے ربّ ذو المنن کے شوقِ دیدار کے لیے اُٹھے اور اُس کے لبوں سے جب بھی

کوئی بات نکلے تو صرف حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے، اور کیوں نہ ہو اس کو تو سبق ہی یہ ملا ہے :- قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اسلام کی نگاہ میں جماعتی زندگی کا معنیٰ اور مطلب کیا ہے اور اسلام جماعتی زندگی کس زندگی کو کہتا ہے؟ - اسلامی تعلیم کے رُو سے جماعتی زندگی یہ نہیں کہ باہم مل کر تفریح طبع کے لیے کوئی کلب بنا لیا جائے اور فرصت کے اوقات میں وہاں جمع ہو کر خوش گپیّاں ہانکی جائیں اور دل کی اُمنگیں نکالی جائیں یا اتفاق کر کے کوئی اکھاڑا اور ورزش گاہ تجویز کر لی جائے جہاں صبح و شام اکٹھے ہو کر ورزش کی جائے یا کُشتی لڑی جائے، یا اصلاحی نام پر کوئی ادارہ یا انجمن بنالی جائے اور صلاح و مشورہ سے اپنے مزعومہ اور مفروضہ دُنیوی اغراض و مقاصد کو بروئے کار لایا جائے، یا کوئی کمیٹی ترتیب دی جائے جس کے ذریعے ووٹوں کی دنیا میں اپنے مقصدِ پنہاں کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ یا قرآن و سُنّت اور فقہ اسلامی سے مستغنی ہو کر اپنے خود تراشیدہ اور خانہ ساز اصول کے تحت کوئی سوسائٹی وضع اور اختراع کر لی جائے جس میں ملکی اور قومی، سیاسی اور اقتصادی، معاشی اور معاشرتی مفاد کو انجام دینے کی سعی اور کوشش کی جائے۔ یا اسی قسم کی کوئی اور اجتماعی صورت اختیار کر لی جائے، جس میں زندگی کے لائحہ عمل پر غور و خوض کیا جائے۔ اگرچہ ان تمام صورتوں میں نظر بظاہر اجتماعی شکل تو موجود ہے لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اُس اجتماعی زندگی کا مصداق ہرگز نہیں جو اسلام کا مقصود و مطلوب ہے بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کی یک جہتی

و اجتماع، اس کا اتفاق و اتحاد اور اس کا نظم و ضبط محض خدا تعالیٰ کی رضاجوئی اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کے لیے ہو، قرآن و حدیث کی سربلندی کے لیے ہو، خلافتِ راشدہ کے قیام اور اُس کی بقا کے لیے ہو، سلف صالحین کے بہترین طرزِ زندگی کے احیاء کے لیے ہو۔ اور ملّت کے ایک ایک فرد کی کوشش و کاوش، سعی و عمل، تپش و خلش اور سوز و گداز جوان کے قلبِ عشق آمیز کی گہرائیوں سے اُبھر کر لبِ آتش نوا تک پہنچا ہو اور جس کی بدولت جذب و اثر کی دُنیا رقص کرتی دکھائی دے، صرف اور صرف اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے لیے ہو۔ کتاب و سُنّت کے لیے ہو، اسلام کی رفعت اور کامیابی کے لیے ہو۔ جس وقت اور جس قدر یہ آرزو بلند اور پاکیزہ تھی اس وقت یہ اُمّتِ مسلمہ اور اس کا ایک ایک فرد ہمہ تن رضائے خداوندی پیروی رسول (صلے اللہ علیہ وسلّم) اور تبلیغ اسلام میں منہمک تھا۔ مگر ان کی تبلیغ و سعی محض زبان کی شیرینی اور قلم کی روشنائی ہی کی رہینِ منّت نہ تھی بلکہ اس میں خونِ جگر کی سُرخی اور دل کی سوزش بھی شامل تھی۔ وہ باوجود اختلافِ استعداد کے اسلام کے صاف و شفاف چشمہ سے مستفید ہو کر سب عالم کو منوّر کرنے کے درپے تھے۔ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک بے قرار رُوح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی سیماب کی طرح نہ ٹھہرنے والا دل تھا جس نے سب کو بے قرار کر دیا تھا۔ وہ بے سر و سامان تھے مگر منظّم حکومتیں اُن سے لرزتی تھیں، تاج و تخت کے مالک اُن سے تھرّاتے تھے، وہ تھوڑے سے تھے مگر غالب و منصور تھے، وہ پیدل تھے مگر برق رفتار تھے۔ وہ بعض دفعہ اکیلے ہوتے

مگر ہزاروں پر بھاری ہستے تھے۔ نورِ توحید کا جذبہ، مخلوقِ خدا کی ہدایت و اصلاح کا ولولہ اور کائنات کی رہنمائی کی فکر ہر ایک قلب میں پیوستہ تھی جس کے سبب خدا تعالےٰ کے نام کی سربلندی، اطاعتِ رسول کا جذبہ، مخلوق کی صحیح ہمدردی اور ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا طلبی کا جوش ان میں کام کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھے، جہاں بھی تھے اور جیسا کچھ بھی کیا کرتے تھے، ان کے ہر کام سے مقصود اللہ تعالےٰ کی خوشنودی، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت اور دُنیا کی درستی تھی اور بس۔ ان کی دوستی اور مودت بھی محض خدا تعالےٰ کے لیے ہوتی تھی اور ان کی عداوت و دشمنی بھی صرف خدا کے لیے ہوتی تھی۔ وہ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کا مجسّم پیکر تھے۔ ان کی یہ صفت تھی کہ ؎

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُنکی — فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُنکی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی — شریعت کے قبضہ میں تھی باگ اُنکی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ — جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ
کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت — سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبّت — نہ بے وجہ اُلفت نہ بے وجہ نفرت

جُھکا حق سے جو جُھک گئے اس سے وہ بھی
رُکا حق سے جو رُک گئے اس سے وہ بھی

اسلام میں جس اتفاق و اتحاد اور جماعتی زندگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (پ۴۔ آل عمران-۱۱) — اور تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی اس مضبوط اور متین رسی کو جو قرآن مجید اور دینِ قیّم کے نام سے موسوم ہے پُوری قوّت اور طاقت کے ساتھ پکڑو۔ یہ عروۃ وثقیٰ اور محکم رسی ٹوٹ تو سکتی نہیں لَا انْفِصَامَ لَھَا، ہاں حرماں نصیبوں کے ہاتھوں سے چھوٹ سکتی ہے۔ اگر مسلمان سب مِل کر اجتماعی قوّت اور امکانی طاقت سے اس کو پکڑ لیں گے تو کبھی کسی باطل اور طاغوتی طاقت سے بفضلِ تعالیٰ ان کو کوئی گزند اور تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ کوئی شیطان صفت اپنی شیطنت اور شرانگیزی میں کبھی کامیاب ہو سکے گا۔ اور انفرادی زندگی صالح ہونے کے علاوہ اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی اور قومی قوت بھی بڑی مضبوط اور ناقابلِ اختلال ہو جائے گی۔ اور قرآن و سنت سے تمسک کرنے کی برکت سے تمام بکھری ہوئی قوتیں جمع ہو جائیں گی اور مُردہ قوموں کو ابدی زندگی اور حیاتِ تازہ حاصل ہوگی۔ آہستہ آہستہ جو اس کیف سے مخمور اور شرابِ حق کے نشہ سے مخمور ہوگا اس کے دل سے اسلام کی اجنبیّت دُور اور بیگانگی کافور ہو جائے گی۔ صدائے حق کی کشش اور نوائے صدق کی سحر یلی بانسری ضرور مُنیب دلوں پر اثر کرے گی۔ کان والے اسے سنیں گے اور جو سنیں گے سر دُھنیں گے۔ اسلام کی رفعت اور سربلندی کے لیے وہ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن کر اور اپنے پاؤں میں زنجیروں کے بوجھل حلقے ڈال کر اور اپنے نرم و نازک جسم کو چُور چُور کروا کر بلکہ اکثر اوقات دار و رسن کے نیچے کھڑے ہو کر بھی وہ ایسی لذّت محسوس کرتے ہیں جو شاہ ہفت اقلیم کو سلطنت کا سنہری تاج پہن کر بھی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ اپنی بقا کا راز ہی اسی میں سمجھتے ہیں کہ ؎

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

غور کیجیے کہ جس زمانۂ فتنہ و فساد میں علانیہ طور پر بدی اور جہنم کی دعوت دی جا رہی ہو اور جس دورِ الحاد و شر میں صراطِ مستقیم سے ہٹا کر شیطان اور نفسِ امّارہ کے نقشِ قدم پر چلایا جا رہا ہو اور جس دہرِ فتن میں ہر طرف کفر و شرک، جور و عدوان اور ضلالت و گمراہی کا شیوع ہو اور جس ماحول میں ثقافتِ اسلامی کے نام پر رقص و سرود بے حیائی و عریانی اور جنسی خواہشات و تلذّذات کا مکروہ و حیا سوز اور ایک گونہ ساحرانہ پروپیگنڈا زور شور سے جاری ہو اور اربابِ اقتدار ان مذموم افعال کی سرپرستی کرتے ہوں اور دینی و اخلاقی اقدار سے بے پروائی برتتے ہوں، کیا ایسے نازک ترین وقت میں مسلمانوں کا یہ اسلامی فریضہ نہیں کہ وہ حبل اللہ المتین کے ساتھ وابستہ ہو کر جماعتی زندگی میں اپنے کو منسلک رکھیں اور آپس میں متفق ہوں ایک اجتماعی نظام اور ایک ہی اسلامی رشتہ میں جڑ کر صحیح اسلامی زندگی بسر کریں اور گمراہ مخلوق کو غفلت اور جہالت کی بے مراد اور مہلک زندگی سے نکال کر روحانی اور اخلاقی زندگی کی صحیح اور سیدھی لائن پر چلانے کی سعی کریں کیونکہ یہ کام تو مادی دنیا کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس لیے کہ مادیت کا تمدن اور اس کی بنیاد و اساس ہی فانی تلذذ اور تعیّش نفس پروری اور تن آسانی پر قائم ہے، جس نے قوت و اقتدار کے بل بوتے اور حکمرانی اور شوکت کے زیرِ سایہ تربیت پا کر بامِ عروج تک رسائی کی اور تشنگانِ حیاتِ عارضی کے لیے رعنائی اور دلبری پیدا کر کے جاذبِ قلوب بن گئی ہے جس کا ثمرہ اور نتیجہ ابدی موت کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے؟ مگر اے کاش کہ اس حقیقت کو کوئی سمجھے بھی کہ ؎

ہیں آج بہارِ دل پر نازاں نفرت ہے انہیں ویرانوں سے
پھر ہوں گے بیاباں یہ اک دن، یہ راز گلستاں بھول گئے

اُمتِ مُسلمہ کی کامیابی کا راز

ہم تعداد میں گو کثیر ہیں مگر افسوس کہ ستاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں اور من مانی اور انفرادی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم بظاہر اگرچہ ایک دوسرے سے واقف اور قریب تر ہیں لیکن درحقیقت ایک دوسرے سے بے گانہ اور دور ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے محور کے گرد گھومتا ہے اور حیاتِ ملی کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قوموں کی ہستی اور بقاء کا مدار ان کی مرکزیت اور اجتماع پر ہوتا ہے۔ ان کی انفرادی اور جداگانہ حیثیت اور امتیازی خصوصیت اسی نقطۂ ماسکہ سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ان کی جماعتی اور تنظیمی زندگی اور مرکزیت میں خلل اور انتشار، تشتّت و خلفشار واقع ہو جائے تو اُن کی قومی اور ملّی حیثیت کا شیرازہ بالکل بکھر جاتا ہے اور اندوہناک حوادث و نوازل کی بادِ صرصر اور دہریت و الحاد کے طوفان کا ہر جھونکا انہیں جدھر چاہے بے وزن پَر اور خفیف تنکے کی طرح اُڑائے اُڑائے پھرے گا اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ان کو کہیں قرار و چین کا موقع میسّر نہ آئے گا اور صحیح اسلامی نظام کے بغیر جس کی بنیاد کتاب و سنّت پر قائم ہو ایسا عالمگیر اتفاق و اتحاد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہلِ مغرب اور مغرب زدہ طاقتوں کے اتفاق کا مرکزی نقطہ مفاد پرستی، مکر و خداع، حیلہ سازی و تصنّع اور خود غرضی کے سوا اور کچھ نہیں جس

سے ہر دردِ دل رکھنے والے غیور اور خدا خوف مسلمان کو ہمیشہ پرہیز کرنا لازم ہے۔

بھلا غور تو فرمایئے کہ جو حربی طاقتیں اور غیر اسلامی حکومتیں دورنِ خانہ خود اپنے لیے مطلب پرستی کے نامبارک اور منحوس بُت سے فارغ نہیں وہ ہمارے ساتھ کیا بھلائی کریں گی؟ اور جن کی سیاست اور سفارت ہی دھوکہ بازی اور حیلہ جوئی پر مبنی ہو اور جن کے وعدے اور قول و قرار اور دوستی و محبّت ہرجائی کے عشق کا نمونہ ہوں اور جن کی اخلاقی اور روحانی طاقت الفاظ کی ہیر اپھیری میں مضمر ہو اور جو مُنہ سے نکلی ہوئی سیدھی بات کی بے جا تاویلات کے دبیز پردوں میں حق کو مستور رکھنا چاہتے ہوں وہ بھلا ہمارے ساتھ الفت و محبت اور ہمدردی و دلسوزی کیا کر سکتے ہیں؟ ان کو تو بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ لازم آید ز تو احتراز کردن

اس لیے مسلمانوں پر ازبس لازم ہے کہ وہ کتاب و سُنّت کی روشن اور غیر مبدّل ہدایات پر عمل پیرا ہوں۔ اور درحقیقت مسلمانوں کی فلاح و کامرانی اور ان کے بقا اور عزّت کا اصلی سبب ہی یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی زندگی میں منظم ہو کر رہیں، ورنہ انتشار و تشتت اور پراگندگی و تفریق سے اسلامی اور قومی زندگی بالکل پامال ہو جائے گی اور مسلمانوں کی عالمگیر اور جہانگیر جاندار اور شاندار قوم بے وزن اور بے وقعت ہو کر رہ جائیگی جیسا کہ اس دورِ فتن و شرور میں اس کا باآسانی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بالکل ایک قطعی حقیقت ہے کہ ع

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں

پس اگر آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کیلئے جماعتی اور منظم زندگی شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں ایک ضروری اور لازمی چیز تھی، تو یقین کیجئے کہ وہ آج بھی مسلمانوں کے لیے اُسی طرح لازمی اور ضروری ہے اور تا قیامت لازم ہی رہے گی چاہے مسلمان عرب میں سکونت پذیر ہوں یا عجم میں، امریکہ میں فروکش ہوں یا افریقہ میں یورپ میں رہتے ہوں یا ایشیا میں، چین میں بستے ہوں یا جاپان میں، مصر میں آباد ہوں یا ایران میں، پاکستان کے باشندے ہوں یا ہندوستان کے، غرضیکہ وہ جہاں بھی رہتے ہوں اسلامی زندگی اور روحانی اقدار اور کامل اتحاد و اتفاق کے بغیر ان کی کامیابی امر محال ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس نازک دَور میں اس صحیح منزل اور نصب العین کو پیشِ نظر نہ رکھا تو اقوامِ عالم سے متاثر ہو کر اُن کے مادی اور انفرادی جذبات اُن کی ناک میں نکیل ڈالے انہیں زندگی کی مختلف مگر غلط اور غیر اسلامی شاہراہوں پر ادھر اُدھر لیے لیے پھریں گے۔ کبھی تو مادی تصوّرات کی ان حسین مگر مُہلک وادیوں میں اور کبھی دُنیائے دُنی کے ناپائدار تخیلات کی ان نگاہ فریب اور ہلاکت آفرین مناظر میں، وہ مادیّت اور مغربیت کے جذبات میں بہہ کر آج کچھ کہہ دیں گے اور کل کچھ۔ اور جس قسم کا نظریہ اور جذبہ ان کے دل میں موجزن ہو گا، اسی قسم کی آواز زبان پر آئے گی۔ نہ تو وہ رہبر کو پہچانیں گے اور نہ راہزن کو، اور مطلب پرستی کے غیر سعید بُت ان کو خیر خواہ اور بدخواہ میں کوئی فرق نہ بتائیں گے ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اِک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

کیا اُمّتِ مسلمہ کی یہ انتہائی نازک اور ناگفتہ بہ حالت علمائِ کرام، اربابِ اقتدار

اور دردِ دل رکھنے والے مسلمانوں کی توجّہ کے لائق نہیں؟ کیا مساجد کی کس مپرسی، نماز و روزہ سے لاپروائی اور بہت سے شعائرِ دین سے غفلت حتّٰی کہ بعض اصولِ دین اور ضروری عقائد سے عوام کی جہالت اصلاح کی محتاج نہیں؟ کیا خالص توحید اور صحیح سنّت سے اکثر مسلمانوں کی بے نیازی اور تعلیمِ دین سے بے اعتنائی والعراض مستحقِ تغیّر و تبدّل نہیں؟ کیا اب وہ وقت نہیں کہ مسلمان اپنے تمام اندرونی اور بیرونی مادی اور فروعی اثرات سے دلوں کو آزاد کر کے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اٹھیں۔ غیروں کے آسرے اور سہارے پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں بلکہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اٹھیں اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر بھی نہیں بلکہ محض اللہ تعالٰے کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اُٹھیں۔ صرف قومیت اور وطنیت کا جذبہ لے کر نہیں بلکہ حزب اللہ اور جُند اللہ بن کر اُٹھیں اور اپنی جاہ و شوکت اور سلطنت و حکومت کے لیے نہیں بلکہ اعلائے حق اور خالص اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے اُٹھیں۔ مُلک گیری اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کے لیے نہیں، رضائے حق اور شوکتِ اسلام کو اپنی آخری منزل سمجھ کر اُٹھیں اور قرآن و سنّت کی شمعِ فروزاں، حق گوئی اور اخلاقِ فاضلہ کی شمشیر ہاتھ میں لے کر ہر قسم کے فتنہ و فساد اور شر کا قلع قمع کر کے اسلام کو روشن کریں اور اللہ تعالیٰ ہی کے دینِ حق کو نافذ کر کے دم لیں۔

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ؕ (پ۹ - الانفال - ۵) — یہاں تک فتنہ یک سر ختم ہو جائے اور دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کا (نافذ ہو کر) رہ جائے

جملہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی کوشش اور سعی تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام

پر مرتکز کر دیں حتّٰی کہ سب گمراہ اور بھٹکی ہوئی دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے اور اس مادی دور کے پیدا کردہ وہ تمام مصائب و تکالیف، وہ سب اُلجھنیں اور غلط طریقے جن کے ناپیدا کنار بھنور میں سب دُنیا اُلجھ کر رہ گئی ہے یکسر ختم ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق روشنی کے اس عظیم الشّان اور بلند مینار سے فائدہ اُٹھائے جس کو حبل اللہ کے پیارے الفاظ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ صحیح اسلامی طریقہ اور اسلامی اندازِ فکر کو بروئے کار لا کر اپنے لیے بہتر دینی اور روحانی ماحول اور سازگار فضا پیدا کریں۔ یہ آرزو ہر دردِ دل رکھنے والے مسلمان کے قلبِ مضطر میں موجود ہے کہ دینی اور روحانی، اصلاحی اور تعمیری کاموں میں کوئی ایسا منظّم اور ٹھوس مگر زود اثر اور بے لوث لائحۂ عمل جلد از جلد مرتّب کیا جائے، جو خلوص و سچائی، نیکی و استقامت سے مذہب و ملّت اور قوم و وطن کی اسلامی اور روحانی بہتری کے لیے تمام نیک عزائم کی کامیابی اور شادمانی کا ضامن ہو سکے اور زندگی کے ہر شعبہ اور پہلو میں دینی اور مذہبی، روحانی اور اخلاقی بیداری کے عام نیک آثار نظر آنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اسلام کی سربلندی کے لیے وہ بہتر سے بہتر اسباب پیدا کر دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؀

درگاہِ بے نیاز میں لے دردِ کیا نہیں
دستِ سوال جانبِ خالق اٹھا کے دیکھ

طریقِ تبلیغ

دینِ حق کی تبلیغ اور نشر و اشاعت انتہائی محبت و اُلفت ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ کرنی چاہیئے اور دین و مذہب کے معاملہ میں ہرگز کوئی جبر و اکراہ روا نہیں رکھنا چاہیئے اس لیے کہ عقیدہ و مذہب کا قبول کرنا اور ردّ کرنا ایک اختیاری معاملہ ہے۔ اس میں تعدّی اور تشدّد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ داعیٔ حق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ وُسعتِ ظرف، عالی حوصلگی، شرافتِ نفس، اخوت اور دلگدازی کے ساتھ اپنے بھٹکے ہوئے اور غافل و بے خبر بھائی کو محض ناصحانہ طریق پر نیک صلاح دے اور ابدی فوز و فلاح اور بھلائی کی طرف بُلائے اور بدی اور بدکرداری کی بُری عاقبت اور بد انجام سے آگاہ کرے، اس کو بلاوجہ کسی معاندِ حق کے ساتھ اُلجھ کر حکمت و موعظت کا زرّین ضابطہ ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے مگر تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں اس راستہ کے مسافر کو کبھی کبھار بعض معاندین کے ساتھ اپنی زندگی میں مناظرانہ انداز میں افہام و تفہیم، تبادلۂ خیالات اور بادلائل اثباتِ حق اور ابطالِ باطل سے بھی ضرور کام لینا پڑتا ہے اور اس وسیع مگر دشوار گذار گھاٹی کے پیچ در پیچ اور تنگ موڑوں پر بھی گزرنا پڑتا ہے جن میں عقائد و اعمال، اخلاق اور معاملات، سیاسیات و معاشیات وغیرہ سے متعلق اظہارِ خیال اور بحث مباحثہ بلکہ بسا اوقات اس سے بھی آگے نکل کر مجادلہ اور مکابرہ کی نوبت بھی آجاتی ہے جس میں احیاناً آدمی سے اپنی بات کی تائید اور دوسرے کے دعوے کی تردید میں عدل و انصاف اور متانت و سنجیدگی کا

سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور مخاطب کو بھی اس بے موقع اور نامناسب انداز گفتگو سے متأثر ہو کر عقل و دانش اور عدل و احسان کی حدود سے نکل کر ظلم و تعدّی کا غلط اور ٹیڑھا راستہ اختیار کر لینے کا موقع مِل جاتا ہے اور ایسے داعی کے درشت لب و لہجہ اور کج بحثی سے اکثر فتنہ و فساد اور شر و عناد کا ایسا خطرناک دروازہ کُھل جاتا ہے جس کا بسا اوقات آسانی کے ساتھ انسداد بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔

تبلیغ اسلام چونکہ ایک نہایت مبارک اعلیٰ اور پاکیزہ فریضہ ہے جس پر ابدی اور سرمدی فوز و فلاح کا مدار ہے، اس لیے مبلّغ اسلام کے لیے ازبس نہایت ہی ضروری ہے کہ وہ پیکرِ عفو و کرم ہو کر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھے ہوئے اور مؤثر طریقہ سے ٹھوس اور قطعی براہین اور ادلّہ کے ساتھ اسلام کی صداقت اور حقّانیت کو اس کے اصلی خدوخال کے ساتھ پیش کرے۔ تبلیغ اسلام کی خوش نما اور مضبوط عمارت کے اُستوار ہونے اور اس کی حقیقی روح، عالمگیر شہرت اور حیاتِ ابدی کا راز ہی یہی ہے۔ پس ہر ایک داعیٔ حق اور مبلّغ اسلام کا یہ اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ پیغامِ ربّانی تو سُنائے، فلاحِ دارین اور نجاحِ مومنین کی دعوت تو پیش کرے، اسلام کی نشر و اشاعت اور سربلندی کے لیے ہر قسم کے ممکن و مفید اور مؤثر دواعی و اسباب تو اختیار کرے، لیکن ایسے انداز سے کہ جو شخص بھی متانت کے ساتھ اسلام کی معقول اور فطری تعلیم کو سُنے اور پڑھے تو اس پر فریفتہ اور گرویدہ ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر اپنے کو مجبور پائے اور اس کا دل اور ضمیر اس کو قبول کرنے کی پُرزور اپیل کرے۔

دعوت و تبلیغ اور نصیحت و موعظت کا یہ مبارک کام اگر اسی نہج پر جاری رہا تو ریت کے ڈھیر کے اندر سے پوشیدہ فولادی ذرّات کی طرح عمدہ صلاحیت کے مالک خود بخود اُڑ اُڑ

کہ مقناطیسِ حق و صداقت سے آملیں گے اور مرکزِ رشد و ہدایت کے گرد جمع ہو کر آہنی دیوار اور سدِّ سکندری ثابت ہوں گے۔ حق پرستوں کی یہ مخلص جماعت سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار محسوس ہوگی کَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ اور اس دیوار سے ٹکرانے والا خود پاش پاش ہو کر فنا ہو جائے گا۔ ؎

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

حکیم علی الاطلاق، مالکِ کائنات اور ربِّ ذوالمنن نے تبلیغِ اسلام کا جو احسن طریقہ اور اس کے درجات بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (پ۱۴۔ النحل ۱۶)

دعوت دے اپنے رب کی راہ کی طرف مضبوط باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر اچھی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو بیشک تیرا رب بہتر جانتا ہے ان کو جو گمراہ ہوئے اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

یعنی جب اسلام کی تبلیغ و دعوت کا بہترین اور عمدہ فریضہ انجام دیا جائے تو اس کے لیے ان تین زرّین اصول و قواعد کی پابندی اور التزام ازبس لازمی اور ضروری ہے اگر ان ضوابط کو پیشِ نظر نہ رکھا گیا تو بہت ممکن ہے کہ اس مقدّس اور پاکیزہ فریضہ کے لیے سخت دشواریاں اور بے حد رکاوٹیں پیدا ہوں اور بجائے فائدہ کے نقصان اور بجائے کشش اور جاذبیت کے تنفّر پیدا ہو۔

(۱) اس مقدّس فریضہ کی پہلی کڑی تو الحکمۃ ہے۔ یعنی نہایت پختہ، مضبوط اور محکم مضامین اور روشن تر دلائل اور واضح ترین براہین کے ساتھ ناصحانہ اور حکیمانہ انداز سے سلجھے ہوئے اور نہایت مؤثر طریقہ سے مخاطب کو حق سمجھایا جائے اور اسلام کے عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرہ سے اُسے رُوشناس کرایا جائے اور عزم و ہمت کے ساتھ اس کو ہر طرح سے اطمینان دلایا جائے تاکہ اسلام کے محکم اور فطری عقائد و اعمال اور موزون و مناسب اخلاق و معاملات اس کے سویدائے قلب میں اُتر کر پیوست ہو جائیں۔ جن کو سُن کر ہر عاقل و فہیم اور علمی ذوق و شوق رکھنے والا بشرطیکہ وہ حق کا متلاشی بھی ہو، سرِ تسلیم خم کر دے، اور وہ اچھی طرح یہ محسوس کرے کہ دنیا کی مخترع اور موہوم منطق اور خیالی فلسفے وحی الٰہی کے مقابلے میں نہ تو ٹھہر سکتے ہیں اور نہ حرف گیری کر سکتے ہیں اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ دعوت و تلقین اور تبلیغ و تبیین کے اس مرحلہ پر افہام و تفہیم کے اس مؤثر اور معقول ذریعہ سے کچھ سعید روحیں ضرور متاثر ہوں گی اور خسران و نامرادی کی راہ سے ہٹ کر فلاح و سعادت کی تلاش و جستجو میں ریاحینِ کامیابی اور بساتینِ کامرانی کے صراطِ مستقیم پر ضرور گامزن ہوں گی اور اس فوری اور آنی انقلاب کے بعد خلافِ اسلام کسی عقیدہ اور عمل کو سننے کی طاقت ہی وہ اپنے اندر نہیں پائیں گی اور غیر اسلامی زندگی سے انہیں ایسی نفرت ہو جائیگی کہ مہربان اور شفیق ماں اور باپ سے بھی وہ کفر و شرک اور بدی کی کسی بات کو سُننا گوارا نہیں کریں گی اور ایسی ہر غلط بات کو وہ یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دیں گی کہ اب تو ہمارے کانوں میں اس کے لیے قوتِ شنوائی ہی باقی نہیں رہی لَا نَسْمَعُ حتّٰی کہ اسلام کا عشق و محبّت اُن کو اس امر پر مجبور کر دے کہ وہ مادیّت کی تہ بتہ ظلمت اور

تاریکی سے نکل کر روحانیت اور عالمِ بالا کی طرف ایک جست لگائیں اور اپنی سابق بے مُراد وناکارہ زندگی پر آنسو بہاتی ہوئی یہ کہیں کہ ؎

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصّہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

(۲) اس مبارک کام کا دوسرا مرحلہ اَلْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ ہے کہ ایسے مؤثر اور رقّت انگیز طریقہ، بہتر بن اور عمدہ امثال، بیش بہا اور خوش آئند وعظ و پند، عبرت آموز واقعات اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ اُس کے کانوں میں آوازِ حق پہنچائی جائے جن میں دِلسوزی اور نرم خوئی کی روح بھری ہو اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ایسا اوقات صحیح اخلاص و ہمدردی، شفقت اور حسنِ اخلاق کا اعلیٰ برتاؤ پتھر دل کو بھی موم کئے بغیر نہیں چھوڑتا جس سے مُردہ روحیں زندہ ہو جاتی اور دلوں کی اُجڑی ہوئی بستیاں دفعتًہ آباد ہو جاتی ہیں اور بعض طبیعتیں تو ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر ساحلِ مراد کی طرف بیتابانہ دوڑنے اور پیہم سعی کرنے لگ جاتی ہیں اور خصوصاً وہ لوگ جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے لیکن طلبِ حق کی دبی ہوئی چنگاری اپنے سینہ میں رکھتے ہیں، ان کو ایسے دلکش مألوف اور رقّت آمیز وعظ و پند سے ایسا بہتر اور جلدی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو کسی عالمِ ربّانی کی بلند اور عالی پایہ عالمانہ تحقیقات کے ذریعے ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو بلند پایہ اور صحیح مثالوں کے ساتھ ہی تسکین اور تسلّی حاصل ہو سکتی ہے، اور وہ ٹھوس اور تاریخی واقعات اور حالات کو سُن کر ہی اسلام اور اسلامی زندگی کے ساتھ مانوس ہو سکتے ہیں اور اسی طریقہ سے اسلام کی صداقت اور سچائی کی روح اُن کے ذہن نشین ہو کر اُن کے دل میں اُتر سکتی ہے، بقولِ کسے

؏ شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

ایسے حق پسند لوگوں کے دلوں پر ہلکا سا پردہ ہوتا ہے جو انفسی اور آفاقی دلائل اور بیّنات دیکھ کر اور حسّی اور معنوی طور پر الموعظة الحسنة سے مستفیض و مستفید ہو کر ساحرانِ فرعون کی طرح جن کے قلوب پر کفر و جحود کا خفیف سا پردہ تھا۔ مگر عصائے موسوی کا خدائی کرشمہ دیکھ کر وہ پردہ زائل ہو گیا، خود بخود اُتر جاتا ہے۔ پھر ان کو تختۂ دار اور فرعونی قسم کی دھمکیاں دُنیا کے ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز کر دیتی ہیں اور اپنے دل و جان ظاہر و باطن کو اسلام پر نثار و قربان کرنے کے لئے جانِ عزیز کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں اور وہ ہر مصیبت اور صعوبت کو یہ کہتے ہوئے خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں کہ لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ یعنی ؏

"ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہو"

(۳) جدالِ احسن

اس پاکیزہ فرض کی آخری منزل وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ہے کہ جب دعوتِ حق کا منادی اور مبلّغِ اسلام اچھی طرح یہ محسوس کر لے کہ یہ پہلی بیان کردہ دونوں صورتیں اور منزلیں اس سرکش اور متمرّد کے لیے سُودمند ثابت نہیں ہوئیں اور وہ اپنی فطرتِ بد اور سوءِ استعداد کی وجہ سے بحث و مباحثہ بلکہ مکابرہ و مجادلہ کے لیے آمادہ ہے تو وہ اس تیسری شق کو اختیار کرے اور اس ناپائدار اور فانی زندگی میں ہمیشہ سے کچھ لوگ ایسے بھی رہے ہیں اور بظاہر تا قیامت رہیں گے۔ جن کا مقصد وحید ہر صحیح اور سیدھی سادی بات کو اُلجھانا اور ہر چیز میں کٹ حُجتی اور کج بحثی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یہ معاند و باغی نہ تو حکمت اور دانائی کی باتیں

قبول کرتے ہیں اور نہ رِقت انگیز اور مؤثر و بلیغ وعظ و پند ہی سُننے پر آمادہ ہوتے ہیں بلکہ وہ انسانی اور امکانی کوشش کو بروئے کار لاکر حق سے گریز اور پہلو تہی کرتے ہوئے بقولِ شخصے "خوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار" ہر بات میں بے جا بحث و مباحثہ کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہلِ قلم و انصاف اور صاحبِ تقوےٰ و دیانت اور حق کی طلب و جستجو کرنے والوں کو بھی کچھ سطحی قسم کے شکوک و شبہات گھیر لیتے ہیں اور وہ ان میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں کہ بدوں بحث و گفتگو کے ان کا اطمینان نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے لیے ارشادِ ربانی یہ ہے کہ مبلّغِ اسلام ان کو فراخدلی اور وسعتِ قلبی کے ساتھ موقع دے تاکہ ہر مجادل اپنے باطل مدعا پر بزعمِ خویش جملہ عقلی اور نقلی دلائل و براہین پیش کر دے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کو بلا تردّد ظاہر کر دے تاکہ اُس کے دلائل کی کائنات اور ان کا طول و عرض اور عمق بھی بیک نگاہ دیکھ لیا جائے۔ پھر داعیِ سبیلِ رب غیظ و غضب اور غم و غصّہ سے بے نیاز اور بالاتر ہو کر عالی حوصلگی اور وسعتِ ظرف کے ساتھ ایک مہربان باپ ایک شفیق ماں ایک ہمدرد استاد، ایک خیر خواہ حکیم و ڈاکٹر اور ایک بہی خواہ جرّاح کی طرح خود اُس رُوحانی بیمار کی بیماری اور علالت کے اصل اسباب و علل پر (جو اس کے زعم فاسد میں دلائل و براہین سے موسوم ہیں) ہاتھ رکھ کر اُس کی نبض دیکھے اور اس کی بیماری کے مرکزی نقطہ کو لے کر معقول طریقہ پر اُس سے تبادلۂ خیالات کرے۔ اور تہذیب و شائستگی، حق شناسی اور انصاف پسندی کے عمدہ اصُول کو پیشِ نظر رکھ کر نہایت خوش خلقی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اُس سے بحث و مباحثہ اور احسن پیرایہ میں اُس سے مجادلہ کرے اور اس کی ایک ایک مزعوم عقلی و نقلی دلیل کا تار و پود اس کے

سامنے بکھیر کر رکھ دے، اور اُس کی نامعقول کج بحثیوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اُڑا دے اور ایسے عمدہ طریقہ سے اس کے فرسودہ براہین کے بخیئے اُدھیڑ دے تاکہ وہ مبہوت و لاجواب ہو کر فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ کا سماں خوب اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آجائے اور اس شکستِ فاش اور حیرت کے بعد بشرطِ انصاف و دیانت وہ اپنے باطل عقیدہ اور ناکارہ عمل کو ترک کرنے اور اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد و اعمال کو قبُول کرنے پر علمی اور تحقیقی طور پر مجبور ہو جائے اور اس کا دل اسلام کی حقانیت اور صداقت پر شہادت دے اور وہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بے نیاز ہو کر حق الیقین کے مقامِ بلند پر پہنچ کر خود اپنی ہی زبان سے لَا رَيْبَ فِيْهِ کے الفاظ سے صداقتِ اسلام کا اقرار کر لے اور اقرار بھی اس عزم و ایقان اور جزم و اذعان کے ساتھ کہ ہر قسم کے زلزلہ خیز طوفان اور ہر قسم کی جانی اور مالی تکلیفیں اور صعوبتیں اس کے پائے استقامت میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہ کر سکیں اور اُس کے دیکھنے والوں کو بھی قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کی عملی تفسیر سمجھ میں آجائے۔ مگر یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ اپنے مدِمقابل کو الزام دے تو بہترین اسلوب سے، خواہ مخواہ دِل آزار اور جگر خراش باتیں اور ترش و تلخ لب و لہجہ ہرگز نہ اختیار کرے جس سے مدِّمقابل کی طبیعت میں بجائے سُلجھاؤ کے اُلجھاؤ اور بجائے قرُب کے بعد اور بجائے انابت کے اعراض اور بجائے محبّت کے نفرت راہ پائے اور معاملہ بلاوجہ طُول کھینچے۔ کیونکہ اصل مقصُود تو افہام و تفہیم احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہے نہ کہ بداخلاقی و بدزبانی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

پس مبلّغِ اسلام اور داعیِ سبیلِ رب کا یہ اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ

اپنے مدِّمقابل کو اسلام کے محاسن و فضائل سُنا اور سمجھا کر اُمّتِ مُسلمہ کے اندر ملانے اور جذب کرنے کی پوری کوشش اور کماحقہٗ کاوش کرے تاکہ اُسے اپنے باطل عقائد و اعمال وغیرہ سے علیٰحدگی اختیار کرنا دشوار نہ نظر آئے اور اپنے خویش واقارب بھائیوں اور عزیزوں اور والدین واولاد سے عقیدۃً و عملاً جدا ہونے کو وہ اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھے اور مسلمانوں کی بے پناہ اخوّت وہمدردی اور مکارمِ اخلاق سے متاثر اور سرشار ہو کر بلا تامّل اُسے فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا کی تفسیر سمجھ میں آسکے اور وہ یہ محسوس کرے کہ جس مُبلّغ کی شکل وصورت کو میں سب سے بدتر سمجھتا تھا اب تو وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وپیاری معلوم ہوتی ہے اور جس کو میں اپنا ذاتی اور مذہبی دشمن گردانتا تھا وہی تو میرا مخلص خیرخواہ اور ہمدرد ہے اور جمُود وجہالت کی بنا پر جس کی بات سُننے پر میں آمادہ نہیں تھا، وہی تو آخر میرا گہرا دوست اور مخلص رفیق ہے کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ جس کی بدولت مجھے حیاتِ ابدی اور نجاتِ سرمدی حاصل ہوئی ہے۔

فریقِ مخالف کے معبودوں کو سبّ وشتم نہ کرنا چاہیئے۔

لیکن یہ امر بھی واضح رہے کہ اس تمام بحث ونظر اور گفتگو و دعوت میں مبلّغ اسلام اپنے مدِّمقابل کے معبودانِ باطلہ اور مزعوم مقتداؤں کی اس طرح توہین وتذلیل اور طعن وتشنیع نہ کرے کہ وہ مذہبی جنون اور ضد میں آکر خالقِ کائنات اور علمبردارانِ صداقت کی شانِ اقدس اور رفیع میں گستاخی وبے ادبی کرنے لگے اور اس کج بحثی اور مُصرانہ اندازِ گفتگو سے غلط تاثر لے کر وہ راہِ راست سے منحرف ہو کر کفر وجحود پر بضد اور مُصر ہو جائے اور قبولِ حق سے ہمیشہ کے لیے وہ باز رہے جس کا وبال شاید کہ

داعی کے سر آجائے اور بجائے اس کے کہ وہ اس کا تعلّق اور رشتہ رضائے الٰہی سے جوڑتا کہیں اس غلط کاری سے توڑنے کا موجب ہی نہ بن جائے۔ ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے کہ:۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍؕ (پ۷۔ انعام ۱۳۰)	اور تم بُرا نہ کہو ان کو جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وُہ ظلم پر کمربستہ ہو کر جہالت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کو سبّ وشتم کرنے لگ جائیں گے۔

یعنی جب تم کسی غیر مذہب کے غلط اصول وفروع، باطل عقائد و اعمال اور بُرے اخلاق ورسوم کی تردید کرنا چاہو تو بڑے شوق سے کرو اور اس کو اسلامی فریضہ اور کارِ نبوّت کی نیابت سمجھ کر انجام دو اور دیگر اہلِ مذاہب کے باطل عقائد اور غلط اندازِ فکر پر ان کی کمزوری اور رکاکت اور اُن کی خرابی و بُطلان پر ٹھوس اور روشن دلائل اور براہین پیش کر کے تحقیقی والزامی دلائل پیش کرو اور ہر ممکن طریقہ سے انہیں غلطی پر آگاہ کرو۔ لیکن غیظ وغضب میں آکر تم کسی قوم ومذہب کے معبودوں اور اُن کے پیشواؤں اور مقتداؤں کی نسبت بغرضِ تحقیر واہانت اور بمدِ دل آزاری وجگر خراشی کوئی نامعقول اور نامناسب اور بُرا کلمہ زبان سے ہرگز نہ نکالو اور نہ سبّ وشتم کا مکروہ طریقہ اختیار کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جوابی کارروائی میں "محتسب خُم شکست ومن سراو" کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہیں تمہارے معبودِ برحق اور ربّ ذوالمنن کو از روئے جہالت وتعنت اور از راہِ ضدّ وعناد گالیاں دینے لگیں۔ یا وہ تمہارے قابلِ صد احترام وتکریم مقتداؤں اور بزرگوں کی توہین وتذلیل پر کمربستہ ہو جائیں اور نظر بہ ظاہر اس کا

ذریعہ اور وسیلہ تم بنو، کیونکہ تمہارا موقف تو اپنی زندگی کے ایک ایک گوشہ میں شروع سے اخیر تک ہر مرحلہ اور ہر منزل میں سہل انگاری، نرم خوئی، رقت انگیز اور دل آویز طریقہ سے تبلیغ و تلقین اور نصیحت و موعظت کا بہترین فریضہ ہے، نہ کہ سب و شتم اور شر و فساد کا منحوس بازار گرم کرنا اور تمہارا کام تو شفقت اور الفت کو محفوظ رکھ کر اقوامِ عالم کو بشارت و خوشخبری سنانا اور پیار و محبت کے ساتھ دینِ اسلام کی دعوت دینا ہے نہ کہ اپنے سوءِ کردار و ترش گفتار سے ان کو دینِ اسلام کے چشمۂ رشد و ہدایت اور منزلِ فوز و فلاح سے برگشتہ اور متنفر کرنا۔

نرمی کرو، سختی نہ کرو۔

اور ایسے ہی مقام پر حضرت رحمۃ للعالمین نذیر للعلمین اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض رساں سے یہ ارشاد صادر ہوا ہے (جو اس قابل ہے کہ آبِ زر سے لکھا جائے) کہ:-

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۳) — تم لوگوں کو بشارت سناؤ اور متنفر نہ کرو اور نرمی کرو اور سختی نہ کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ (المتوفی ۵۷ھ) سے مروی ہے کہ ایک گنوار دیہاتی اور اعرابی آیا اور اُس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اس کی اس نامعقول حرکت پر اُسے موردِ طعن و ملامت بنایا لیکن جناب رحمۃ للعلمین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نہ روکو، پیشاب کرنے دو (یا تو اس لیے کہ کہیں پیشاب روکنے کی وجہ سے بیمار ہی نہ ہو جائے اور یا بھاگتے بھاگتے ساری مسجد کو پلید نہ کرے) اور جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے، وہاں ضرورت کے مطابق

چند ڈول پانی بہا دو جس سے جگہ پاک ہو جائے گی۔ پھر آپ نے صحابہ کرام رضی سے یوں خطاب کیا:-

فانما بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ (بخاری ج ۱ ص ۳۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۲) — کہ تم تو نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے کے لیے۔

اور حضرت انس رضی (المتوفی ۹۳ھ) کی روایت میں ہے کہ آپ نے اُسے بلا کر نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھایا کہ:-

انما ھی لذکر اللہ والصلٰوۃ و قِراٰءۃ القرآن (الحدیث) (مسلم جلد ۱ ص ۱۳۸ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۲) — مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز اور تلاوتِ قرآنِ کریم کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں (پیشاب وغیرہ کے لیے نہیں)۔

حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی (المتوفی ۱۱۷ھ کذا فی اکمال ص ۶۱۷ وفیہ نظر) فرماتے ہیں کہ مجھ پر مسلمان ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا (انی حدیث عھد بجاھلیۃ) کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک شخص نے اثنائے نماز میں چھینک ماری تو میں نے نماز ہی میں یَرحَمُکَ اللہ کہہ دیا۔ لوگوں نے نماز کے اندر ہی زجر و توبیخ کا سلسلہ ..... شروع کر دیا اور آنکھیں نکال نکال کر مجھے ڈانٹتے رہے اور زور زور سے اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے رہے۔ میں بھی طیش میں آگیا اور دل نے چاہا کہ میں بھی کچھ کہوں مگر میں خاموش ہی رہا۔ جب نماز سے فراغت ہو چکی تو جناب پیکرِ عفو و کرم حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور ایسے عمدہ طریقے سے سمجھایا جس کا خاکہ خود حضرت معاویہ بن الحکم رضی کی زبانی یہ ہے:-

فبابي هو وامي ما رأيت معلماً قبله ولا بعده احسن تعليما منه فوالله ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني (مسلم ج۱ ص۲۰۳ - ابوعوانہ ج۲ ص۱۴۱، مشکوٰۃ ج۱ ص۹۰)	میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسے بہترین طریقہ پر تعلیم دینے والا کوئی اور نہیں دیکھا بخدا نہ تو آپ نے مجھ پر سختی کی اور نہ مارا اور نہ مجھے بُرا کہا۔

مبلّغ اور معلّم کا جو عمدہ نمونہ ان صحیح احادیث میں قولی اور عملی طور پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پیش کیا ہے، کیا ایک متلاشیِ حق اور منصف مزاج کو گرویدہ بنانے کے لیے کافی نہیں؟

انہی زرّیں اصُولوں کے تحت یہ عالمگیر اور سچا مذہب دنیا کے چپّہ چپّہ پر پھیلا ہے جس سے انسانیت کے خشک پتوں میں جان پڑ گئی اور روحانیت کے مرجھائے ہوئے پھولوں میں از سرِ نو تازگی اور شگفتگی آگئی۔ توحیدِ خالص کے شگوفے کھِلتے رہے اور سنّت کی کلیاں مہکتی رہیں۔ قال اللہ و قال الرسول کی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس و لطیف جھونکے شجرِ اسلام کی شاخوں میں لچک اور اعمالِ صالحہ کے پھولوں میں جنبش پیدا کرتے رہے۔ اخلاقِ فاضلہ کے خشک چشمے حیاتِ تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہوگئے۔ جمہوریت اور عمرانیت کے سبزۂ پامال میں پاکیزگی و لطافت پیدا ہوگئی اور تہذیب و تمدّن کے پژمردہ پھولوں پر موسمِ خزاں ہی میں پھر سے بہار آگئی اور یہی اسلام کی خوبی ہے ورنہ ؎

بہار کے موسم بہار ہی اُبلتی ہے
مزہ تو جب ہے خزاں میں بہار پیدا کر

آخری مرحلہ بائیکاٹ

اور اگر کوئی ضدّی، سرکش اور ہٹ دھرم الحکمت، الموعظة الحسنة ... جدال بالّتی هی احسن کے ادلّۂ نیرّہ اور براہین واضحہ کے سُن اور سمجھ لینے کے ... بھی ہلاکت انگیز انجام اور ابدی تباہی و بربادی کے عمیق آتشکدہ میں کشاں کشاں جا ... ہے اور اپنے کفر و شرک، انکار و جحُود اور سرکشی و تمرّد سے باز نہیں آتا اور حق و صداقت کی پُر مغز اور ٹھوس دعوت کے جواب میں دانش و بصیرت کی تمام ممکن راہوں ... ترک کر کے بلا دلیل و حجّت انکار اور یکسر انکار پر تُلا ہوا ہے اور حق و صداقت کے ساتھ ... قسم کی مفاہمت اور مصالحت کا کوئی شمّہ اور شائبہ اُس میں نظر نہیں آتا اور وہ ... الفت اور معاندت کی تاریک چار دیواری میں محصُور ہو کر باطل کو حق پر اور کفر کو اسلام ... غالب اور منصور کرنا اور دیکھنا چاہتا ہے اور اپنے تصلّب و تعصّب کے نشہ میں بدمست ہو کر ... ت پذیری اور حق پسندی کی تمام فطری صلاحیتیں کھو بیٹھا ہے، اور سرکشی و غوایت کے ... نام بد اور عواقبِ شرّ سے یکسر بے خبر اور بے پروا ہو کر دلائلِ ساطعہ سے اُس کی آنکھیں ... اور صدائے حق سے اس کے کان محروم اور مسدود ہو چکے ہیں اور انکار و کفر کی مُہر اُس ... دل پر ثبت ہو چکی ہے اور سامانِ رُشد و ہدایت کی تمام وسیع اور کشادہ راہیں اُس نے ... اُوپر مسدود کر لی ہیں اور اس کی تمام خداداد عقلی قوّتیں، اس کی بدکرداری اور ... انگیزی کی وجہ سے مفلوج ہو چکی ہیں تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ ... ہے، اور وہ یہ ہے کہ اُسے صاف، صریح اور غیر مبہم الفاظ میں کہہ دو کہ تم اپنی راہ ... جاؤ اور ہم اپنی راہ پر گامزن ہیں، تم اپنے طریق پر عمل کرتے جاؤ اور ہم اپنے طریق پر عمل پیرا ہیں۔ تم اپنے دین پر قائم رہو اور ہم اپنے دین پر قائم و دائم رہیں۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔

نہ تو ہم تمہارے ساتھ اُلجھتے ہیں اور نہ تم ہمارے ساتھ دست و گریبان ہو مگر انجام کار دیکھ لینا کہ تم کہاں پہنچتے ہو اور ہم کہاں؟ اُخروی عقاب و سزا تو ایک یقینی امر ہے، جس سے کسی مجرم کا کوئی مخلص اور چھٹکارا ہی نہیں ہے، لیکن اس دنیا ہی میں دیکھ لینا کہ تم کہیں بارش کی طغیانیوں میں بُلبلوں کی طرح بہتے ہو یا کوہ آتش فشاں کی شعلہ باریوں سے راکھ کا ڈھیر ہوتے ہو۔ تم آندھی کے جھکّڑ اور طوفان میں خس و خاشاک کی مانند اُڑتے ہو یا صاعقہ انداز کڑک اور قیامت خیز زلزلہ کے دھماکوں سے زمین دوز ہوتے ہو۔ تم پر قوم لُوطؑ کی مثل آسمان سے پتھر برستے اور زمین کو تہ و بالا اور زیر و زبر کرنے والا عذاب آتا ہے یا قارون کی طرح بمع مال و دولت کے تم زمین میں دھنسائے جاتے ہو، تم قوم فرعون کی مانند دریا میں غرقاب ہوتے ہو یا ہولناک اور خطرناک آواز سے تمہارے دل شق اور جگر پاش پاش ہو گئے ہیں۔ آخر آج بھی اُن تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار اور نشانات تو کہیں کہیں موجود ہیں، انہی کو دیکھ کر تم ان کی تباہی و بربادی کا تصوّر کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم خوابِ غفلت میں محو نہیں ہو چکے۔ ورنہ یہ سب کچھ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اگرچہ خود اُن معذّب اقوام کے اجسام و ابدان اور ان کی بیخ و بنیاد تو باقی نہیں رہی کیونکہ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ مگر ان کے کچھ آثار تو باقی ہیں۔ اور یہ تباہی و بربادی تمہارے لیے اس لیے مقدّر ہو چکی ہے کہ تم نے شرفِ انسانیت کو کفر و جحود اور فتنہ و فساد کا سرچشمہ اور ذمائم و قبائح کا گہوارہ بنا رکھا ہے تمہارا دماغ مفلوج ہو چکا ہے۔ تم عیب کو ہُنر، دوست کو دشمن اور تریاق کو زہر سمجھ رہے ہو۔ اس لیے اب تمہارا انجام ابدی موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب تمہاری حالتِ زار پر آنسو بہانا بیکار

اور اصلاح کی تدبیر سوچنا بے سُود۔ تمہارا دل پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو چکا ہے فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً اور اتنے سامانِ ہدایت کی موجودگی میں تم پر کچھ اثر ہی نہیں کوئی نصیحت و فہمائش تمہیں کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ پتھر پر جونک نہیں لگتی، اور جس وقت تمہاری زیغِ نظر اور اعوجاجِ نگاہ کی تمام خود فریبیاں اور دسیسہ کاریاں، مکاریاں اور بہانہ جوئیاں بالکل نکھر کر سامنے آ جائیں گی تو دیکھ لینا کہ تم نے دنیا میں کیا کمایا اور کیا کھویا اور ملاحظہ کر لینا کہ تمہاری محبّت و مودّت کن لوگوں کے ساتھ قائم رہی اور فی الواقع تمہیں کن کے ساتھ تعلق استوار رکھنا چاہیئے تھا۔ یاد رکھو، یہ حقیقت بھی ایک دن آشکارا ہونے والی ہے اور خود تمہیں اپنی اس منکرِ حق زبان سے غیر مبہم اور واشگاف الفاظ میں اقرار کرنا پڑے گا کہ کاش میں رسولِ برحق (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا صحیح راستہ اختیار کر کے ان کی معیت حاصل کرتا اور فلاں گمراہ اور ضال اور مضل دوست کا ساتھ ہرگز نہ دیتا۔ یقین رکھو آخر وہ دن بھی تو آنے ہی والا ہے:-

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ	اور جس دن کاٹ کاٹ کر کھائیگا گنہگار
يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ	اپنے ہاتھوں کو، کہیگا اے کاش کرمیں رسول
سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا	کے راستہ پر چلا ہوتا۔ اے خرابی میری کاش کہ
خَلِيْلًا ○ (پ۱۹۔ الفرقان۔۱)	میں نہ پکڑتا فلاں کو دوست۔

اب دُنیا کی اس شبِ تاریک و سیاہ میں گمراہی و ضلالت کی جس زلفِ گرہ گیر سے تم چاہتے ہو عشق و محبّت، دوستی اور مودّت قائم کر لو اور جس کو تم چاہتے ہو جانِ عزیز اور متاعِ دل دے ڈالو اور جس کے پاس مناسب سمجھتے ہو عقل و فہم کو

گروی اور رہن رکھ دو بالآخر ایک دن ایسا بھی ضرور آنے والا ہے جس میں حقیقت خوب نکھر کر سامنے آجائے گی اور ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

پس اے منکرِ حق و صداقت اُس وقت دیکھ لینا کہ ہمارا کاروانِ رشد و ہدایت فوز و فلاح کی کس جُودی پر جا کر ٹکتا ہے، اور رحمتِ حق کی بے صوت صدا کس کو پُکار پُکار کر کلیدِ کامرانی اور نویدِ شادمانی دیتی ہے۔ خلافتِ ربانی اور تمکین فی الارض کی نورانی چادر فرشِ صحرا پر کس کے لیے بچھتی ہے اور صوتِ اذاں کی شمیم جاں نواز نسیم صبح گاہی کے غیر محسوس جھونکوں کے ساتھ فضائے عالم کو کس کے لیے معطر کرتی ہے؟ اور باوجود ظاہری بے سروسامانی کے کس کے اشارۂ ابرو سے دنیا کی سلطنتوں کے نقشے بدلتے ہیں اور سلاطینِ عالم کے زیر جدی کے تخت اور ان کا بڑھتا ہوا اقتدار تہ و بالا ہوتا ہے اور کس کے لیے ان کی مہیب اور ہولناک طاقتیں جو آراستہ سامانوں اور رشکِ فردوس ایوانوں، منظّم اور کثیر فوجوں کے بل بوتے پر کھڑی ہیں زیر و زبر ہوتی ہیں؟ اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ جب روحانی سلطنت و حکومت جلوہ گر ہوتی ہے تو تمام مادی حکمرانیاں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہیں۔ آخر کہاں ہے وہ قوم جس نے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً کا متکبرانہ اور باغیانہ نعرہ بلند کیا تھا اور کہاں ہیں وہ فوق العادۃ صنّاعوں کی تنومند اور دراز قد قومیں جنہوں نے پہاڑوں کو موم کی طرح تراش کر ان میں محل و قصور اور بیوت و مساکن بنائے تھے؟ کہاں ہیں وہ صاحبِ اقتدار قومیں جو تاج و تخت کے جبروت

کے ساتھ اُفقِ عالم پر چمکیں اور اپنے اقتدار کا سکّہ اور لوہا منوا کر دُنیا سے روپوش ہو گئیں؟ اور کہاں ہے یونانیوں اور کلدانیوں کی منطق و فلسفہ کی وہ قوّت و شوکت جس نے صدیوں قلوب و اذہان پر استیلاء قائم رکھا؟ اور کہاں ہے قیصر و کسریٰ کی حیرت انگیز طاقت و سطوت جس کے نام سے دُنیا تھرّاتی تھی۔ کیا آج سطحِ ارض پر کہیں اُن کے وجود اور جسم کا کوئی احساس کیا جا سکتا ہے؟ یا کوئی ادنیٰ سا نقشِ قدم بھی ان کا پتہ دینے والا ہے؟ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا

(پ۱۶ - مریم - ٦)

پس اے منکرِ توحید و رسالت اور اے جاحدِ حشر و نشر اور اے باغیٔ قرآن و حدیث! ملاحظہ کر لینا کہ فتح و نصرت کس کے حصّہ میں آتی ہے اور مسرّت و خوشی کے شادیانے کس کے لیے بجتے ہیں؟ مگر یاد رکھنا کہ ارشادِ خداوندی تو یہ ہے:۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ   فوج تو ہماری ہی غالب آکر رہے گی۔

(۲۳ - والصّٰفّٰت - ۵)

اور معلوم کر لینا کہ عرشِ رحمٰن کے ارد گرد مقرّبین فرشتوں کا معصوم طائفہ اور گروہ کس کے لیے استغفار کا زمزمۂ تبریک پیش کرتا ہے اور سدرۃ المنتہیٰ پر سنہری پروانے وجد و سرور میں آکر کس کے لیے رقص کرتے اور کس کے لیے والہانہ اور عقیدتمندانہ استقبال کرتے ہیں اور معاینہ کر لینا کہ ایمان و اسلام کا ابرِ کرم کس کی آنکھوں کا نُور بن کر بساطِ ارضی اور فضائے آسمانی پر چھا کر وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ کا وجد آفرین منظر پیش کرتا ہے اور رگِ کائنات میں روحانیت اور تقویٰ کی نبضِ حیات کس کیلئے پھر متموج ہوتی ہے اور اندازہ کر لینا کہ نرم و نازک، خوبصورت اور خوب سیرت حوریں کس کے

لیے نَحْنُ خَالِدَاتٌ فَلَا نَبِيْدُ کے دلکش گیت گاتی اور طُوْبیٰ لِمَنْ كَانَ لَنَا وَ كُنَّا لَهُ کے پُرکیف اور وجد آفرین نغمے بلند کرتی ہیں اور کس کے لیے شجرۂ طُوبیٰ پہ قٰصِرَاتُ الطَّرْفِ اور نازنینیں جھولا جھولتی ہیں اور آشکارا ہو جائے گا کہ جنت فردوس اور خلدِ بریں کے داروغے کس کو سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ کے زندگی بخش اور روح افزا تحفے پیش کرتے ہیں۔

غرضیکہ اے کفر و جحود کے دلدادہ! تم بھی دنیوی اور اخروی خسران و حرمان کے منتظر رہو اور ہم بھی دنیا و عقبیٰ کی فتح و نصرت اور کامرانی و شادمانی کے بے چینی اور بے قراری سے منتظر ہیں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○ وَ انْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (پ۱۲۔ ہود۔ ۱۰)

اور کہہ دے ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے تم کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر ہم بھی اپنی جگہ کام کرتے ہیں اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں

مگر اے خاکی انسان! تو شرفِ انسانیت کو کیوں فراموش کر چکا ہے؟ تیرے لیے تو ربِّ قدیر نے اپنے معصوم فرشتوں کو بھی جھکا دیا تھا۔ تو اس محسن اور مہربان آقا کے سامنے جھکنے پر کیوں آمادہ نہیں؟ اے غافل اور سرکش انسان تجھے معلوم نہیں کہ جب توحیدِ خالص اور عظمتِ رب کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے تو سگِ اصحابِ کہف بھی عزّت و شرف میں انسانوں کے دوش بدوش نظر آنے لگتا ہے اور جب آسمانِ توحید اور اتّباعِ سنّت کی بلند گھاٹی سے کوئی بدبخت و نامراد اور شقی و منحوس نیچے گرتا ہے تو ایک جلیل القدر نبی (حضرت نوح علیہ السّلام) کا لختِ جگر اور نورِ نظر بیٹا اور دوسرے بلند رتبہ نبی اور رسول (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کا باپ

ی قانونِ ایزدی کے تحت اہلِ نار کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور جب خوش نصیبی کا طالع خفتہ بیدار ہوتا اور قسمت کا ستارہ چمکتا ہے تو سرکش اور باغی فرعون کی فیقۂ حیات (حضرت آسیہؓ) کے استقبال کیلئے بھی جنت کی حوریں بے چین و بے تاب نظر آتی ہیں، اور جب عقیدہ کی پستی و دنائت اور عمل کی شقاوت و نحوست کا غلبہ ہو جاتا ہے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ جیسے جلیل الشّان نبیوں کی بیویاں (واعلہ اور واهلہ) بھی جہنم کے عمیق آتشکدہ میں گر کر قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ کے محکم فیصلہ کی سزاوار ہوتی ہیں۔ اے غافل انسان تو بھی کفر و جحود کی اس غلط روش کا جائزہ لے اور دیدۂ بصیرت سے اندازہ کر لے کہ اس روش کا نتیجہ اور ثمرہ آخر کیا مرتّب ہوگا؟ تو بہت سو چکا ہے، اب تو تیرے جاگنے کا وقت ہے، قافلہ جا چکا ہے اور تو چونکنے سے بھی رہا۔ آہ ؎

کہاں کی نیند آگئی ہے یا رب مسافرانِ رہِ عدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے ہم اُن کو جگا جگا کر

انجامِ کار

اے منکرِ حق و صداقت! تو اب کس چیز کا منتظر ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ قیامت خیز زلزلے آئیں تو تو چونکے؟ آتش فشاں پہاڑ پھٹیں تو تو آنکھیں کھولے؟ ہولناک اور اندوہناک طوفان و سیلاب اُٹھیں اور زمینوں کو غرقاب کر دیں تو تو دیکھے؟ دنیا کو زیر و بالا کرنے والے حالات و واقعات رُونما ہوں تو تو تڑپے؟ خونریز لڑائیوں کے شعلے بھڑکیں تو تو ان مسمار شدہ عمارتوں کے کھنڈروں، سرخ سرخ خون کی ندیوں اور میدان کارزار میں پڑی ہوئی انسانی لاشوں کے تودوں پر تیری نگاہ پڑے تو تو سنبھلے؟ ایٹم بموں اور ہیڈروجن

بموں کی سیاہ بدلیوں، تاریک دھوؤں اور زہریلی گیسوں کی مسموم فضاء سے تیرے ہوش وحواس مکدّر ہوں تو پھر تُو باز آئے؟ بندوقوں اور توپوں کے ہوش رُبا دھماکوں اور گھن گرج سے ساری فضا پُر ہول ہو تو پھر تُو مانے؟ راکٹوں، جٹ طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کی ستم خیز آوازیں تیرے کانوں میں پڑیں تو پھر تُو راہِ راست پر آئے؟ ظالم اور درندہ اقوام کے ہاتھوں مظلوم و مقہور قوموں کے بے گناہ خون کی نہریں بہائی جائیں تو پھر تو ہوش میں آئے؟ ہلاکت وخونریزی اور ظلم وستم کے خونیں مناظر ایک ایک کر کے تیری آنکھوں کے سامنے آئیں تو پھر تو سرِ تسلیم خم کرے؟ اے غافل انسان بتا تو سہی، کیا وہ صدہا درد انگیز صدائیں جو خود تیرے اندر سے نکلتی اور بسیط ارضی کو تڑپا دیتی ہیں، تیری موعظت اور عبرت کے لیے کافی نہیں؟ اور تیرے بدن کے ایک ایک رونگٹے سے ہویدا ہونے والی غیر مسموع آوازیں تجھے متنبّہ اور ہوشیار کرنے کے لیے وعظ و پند کا وافر سامان بہم نہیں پہنچاتیں؟ اور تیرے دل اور نبض کی خفیف حرکتیں اور سانس کے مدّھم ترانے تجھے خالقِ کائنات کے سامنے جھکنے کی تلقین نہیں کرتے؟ اے عاقبت نااندیش انسان کیا خود تیرے نفس میں منعمِ حقیقی کے بے بدل دروازہ پر سرِ نیاز خم کرنے کے لیے قوی دلائل موجود نہیں؟ ارشادِ خداوندی تو یہ ہے کہ :-

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ (اور خود تمہارے اندر (دلیل موجود ہے) سو کیا تم سوچتے نہیں؟

(پ۲۶ - الذاریات - ۱)

اے نادان انسان، تُو ذرا مجنوں کی لیلیٰ پرستی کو دیکھ اور فرہاد کی کوہ کنی اور شیریں نوازی سے عبرت پکڑ جنہوں نے فانی عشق کے چکّر میں متاعِ زندگی تک دے ڈالا اور بسترِ مرگ تک اپنے عارضی محبوبوں کے ہجر و جدائی میں نالاں رہے۔ تو عشقِ

حقیقی میں مستغرق ہو کر محبوبِ حقیقی کے وصال اور اُس کی محبت و اُلفت کیلیے کیوں اپنے دل کو بے قرار و بے چین نہیں پاتا؟ اے متغافل انسان! تُو ناپائیدار زندگی پر کیوں اتنا نازاں ہے جس کو ایک دن جبر و اکراہ کے ساتھ چھوڑنا ہی ہے، اور حُبِ دُنیا میں تو کیوں اتنا اُلجھا ہوا ہے جو ایک سراب سے بڑھ کر کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اے مدہوش انسان! کیا تجھے ہاتف کے یہ ترانے سنائی نہیں دیتے کہ ؎

تماشائے جہاں اے بے خبر! تجھ کو مبارک ہو
یہاں دل داغِ حسرت سے بھرا ہے دل لگی کیسی؟
جہاں گھر تھا وہاں قبریں، جہاں دل تھا وہاں شعلے
یہ ماتم خیز منظر سامنے ہے خوش دلی کیسی؟

ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا

مکمّل قلبی اطمینان اور صحیح عالمگیر اخوّت اور یگانگت بغیر خالص ایمان کے ہرگز متصوّر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ایمانی اخوّت سے وحدتِ خلق کا عالمگیر نظام اور تصوّر فوراً سامنے آجاتا ہے۔ مذہبی اور رُوحانی ارتقاء کا آخری اور انتہائی مقام سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ تمام اقوام و ممالک میں ایمان خالص کی تبلیغ اور تکمیل ہو جس کی بدولت عالمِ انسانیت اپنی فلاح و مُراد کو پہنچے اور ہر فرد باوجود اختلاف الوان و طبائع کے دُنیا و آخرت کی کامرانی اور شادمانی سے بہرہ ور ہو اور چونکہ نجاتِ

اُخروی دُنیوی مصالح سے زیادہ قیمتی مقصد اور اعلےٰ غرض ہے اس لیے ایمان کا بنیادی عقیدہ جس کے سبب اللہ تعالیٰ کی دائمی خوشنودی اور ابدی رضا جوئی حاصل ہوسکتی ہے اور اسی پر نجاتِ اُخروی موقوف ہے، ایک نہایت اعلےٰ ترین نصب العین اور فلاح دارین کے حصول کا واحد اور بے مثال ذریعہ ہے۔ کفر و جحود انسان کو دین و دنیا میں ہر طرح ناکام و نامراد رکھنے والی منحوس ترین چیز ہے اور بغیر ایمان کے کوئی عمل اللہ تعالےٰ کے ہاں قبول نہیں ہوسکتا اور نہ اس کو درجۂ قبولیت، کا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ بھلا سوچیے کہ جس درخت کی جڑ ہی سُوکھ گئی ہو، اس کے پتوں پر پانی چھڑکنا خود پانی کو ضائع کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ بغیر ایمان کے اعمال صالحہ راکھ کا ایک بے وزن ڈھیر ہے جس کو کفر و شرک کی تند اور تیز آندھی آنِ واحد میں اڑا کر بالکل نیست اور نابود کر دیتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ :-

مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ○ (پ۱۳۔ ابراہیم-۳)	جو لوگ اپنے رب کے منکر ہوئے، ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے وہ راکھ کہ اُس پر زور سے آندھی کے دن ہوا چلے اپنی کمائی میں سے اُن کے ہاتھ کچھ نہ ہوگا۔ یہی ہے بہک کر دُور جا پڑنا۔

اور یہ ایک بالکل کھُلی حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے دُنیا میں بجائے ایمان کے کفر و شرک پھیلایا اور اُس مہربان اور رحمٰن خدا سے بندوں کا تعلّق قطع کر کے مخلوق کو خدائی صفات کا حامل بتایا تو اُنہوں نے پیاسوں کو سراب، کی طرف دوڑایا۔

اور شرفِ انسانیت کو بدنما دھبّہ لگایا۔ اور جس شخص نے غیر خدا کی عبادت اور بندگی کی اور دوسروں کو اس کی دعوت دی تو اُس نے اپنی ساری محنت ضائع کر دی اور اپنے تمام اعمال کو اکارت کر دیا۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ اور یہ بالکل ایک نمایاں حقیقت ہے کہ کافر و مشرک بڑا ہی بے وقوف اور لایعقل ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانیت کے بلند مقام سے تنزّل کر کے چوپایوں بلکہ اُن سے بھی زیادہ ذلیل مقام پر پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں اس سے بڑا اور شریر اور کوئی نہیں ہوسکتا اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ۔

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ (پ۳۰۔ البیّنۃ)	وہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں۔

اور جو لوگ سب سے زیادہ خالص ایمان پر قائم ہو کر دعوتِ ایمان پر زور دیتے اور کفر و شرک کو سب سے بڑا ناقابلِ مغفرت گناہ یقین کرتے اور بتاتے ہیں تو وہ یقیناً مخلوقِ خدا کے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اور وہی اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں۔ اور ایسے ہی حضرات کے متعلّق ارشاد ہوتا ہے کہ :-

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ (پ۳۰۔ البیّنۃ)	وہ لوگ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔

لہٰذا سب سے اہم کام ضروری تبلیغ اور نفع رساں عمل دعوتِ ایمان ہے۔ کیونکہ کفر و شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے جس کے سبب ابدی طور پر انسان جنّت کی دائمی راحت سے محروم ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی بے پایاں رحمت سے محجوب رہتا ہے اور کسی وقت کبھی اُس کی مغفرت کی توقع نہیں کی جاسکتی :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ ۔ (پ۵۔ النساء-۷)	بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

مگر افسوس کہ بہت کم لوگوں کو اس کا خیال ہے کہ صرف ایک ہی رب کی عبادت کر کے مقصدِ تخلیق کو سمجھیں اور ایمان کی جڑوں کو مضبوط کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نگاہ جمائے رکھیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (پ ۲۷۔ الذاریات ۲)

اور میں نے نہیں پیدا کئے جن اور انسان مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کاش کہ اس مقصدِ وحید کی طرف بھی التفات اور توجہ ہو جائے جس کے لیے ہم دنیا میں پیدا کئے گئے ہیں اگرچہ کچھ بندگانِ خدا اس عظیم مقصد کے سمجھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں مگر غافلوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے بقول شاعر ؎

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہے

ایمان باللہ

ایمان کی سب سے پہلی اور بنیادی کڑی ایمان باللہ ہے اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، اُس کی صفات اور اُس کے افعال میں ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک لہٗ سمجھا اور یقین کیا جائے کہ وہ وَدُود ہے مگر نہ ایسا جس طرح دوست، دوست سے دوستی اور محبت کرتا ہے۔ وہ حنّان ہے لیکن نہ اس طرح جیسے ماں اولاد سے شفقت کرتی ہے۔ وہ رؤف و رحیم ہے پر نہ یوں جیسا کہ باپ اپنے بیٹوں سے رحمت و رأفت کرتا ہے۔ وہ ان تمام تشبیہات و استعارات سے بالکل

پاک، قطعاً مبرّا اور یقیناً منزہ ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ وہ ماں اور باپ سے بیوی اور اولاد سے، کھانے اور پینے سے، سونے اور اونگھنے سے فنا اور زوال اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے، نہ حضرت عزیرؑ اس کے فرزند ہیں اور نہ حضرت مسیحؑ اسکے بیٹے ہیں اور نہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اور نہ احبار و رہبان یعنی مولوی اور پیر اس کے بیٹے ہیں۔ وہ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے۔ وہی عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے اور وہی اَلسَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ہے اور وہی اپنے تمام کمالات میں منفرد ہے اور وہی مدبّرِ امر ہے اور وہی کارخانۂ عالم میں متصرّف ہے۔ الغرض معبودِ حقیقی تمام کمالات و اوصاف سے متّصف اور تمام عیوب و نقائص سے مبرّا اور ہر قسم کی حاجات سے پاک ہے۔ ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ الصّمد ہے۔ اور اگر کوئی عاصی و گنہگار فطرتِ صحیحہ کو کھو نہ چکا ہو تو ضرور اس کا متلاشی رہتا ہے کہ خالقِ کائنات کے ساتھ اس کا ربط و تعلق قوی سے قوی تر ہو جائے اور اس کو مالکِ حقیقی کی رضا نصیب ہو اور وہ اپنی فانی اور ناپائدار زندگی کی رفتار صراطِ مستقیم پر جاری رکھ کر تقرّبِ الٰہی اور رضائے حق تک پہنچنے میں فائز المرام ہو سکے اور رحمتِ خداوندی تو یہ گارنٹی دیتی ہے کہ گنہگاروں کو مایوسی سے ہمکنار نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

ہستی باری تعالیٰ کا عقلی ثبوت

ہم جب کسی مصنوع کو دیکھتے ہیں یا کسی ثقہ اور معتبر کی زبانی کسی محیّر العقول صنعت کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے تو اسے دیکھ اور سن کر نہ صرف یہ کہ ہمیں محض اس سے اس کے صانع کا علم اور یقین حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے صانع کا مرتبہ جلالت شان اور اس کی حکمت اور کمال کا علم و اذعان بھی ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ ہم جب بھی کسی اعلیٰ نفیس اور عمدہ صنعت کو دیکھتے ہیں تو اس کو دیکھنے کے ساتھ ہی ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کا صانع اور کاریگر اعلیٰ شان اور حکمت و فضیلت کا مالک ہے اور ہمیں ادنیٰ اور گھٹیا درجہ کی صنعت سے ادنیٰ درجہ کے صانع اور کاریگر کا پتہ چلتا ہے کوئی مصنوع چیز دنیا میں ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس سے متعلق کوئی عقلمند اور دانا یہ تصوّر کر سکے کہ یہ از خود یا بلا واسطہ بن گئی ہے۔ بقول مولانا رومؒ

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نشد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نشد

کوئی کارخانہ بغیر انجنیئر کے، کوئی جہاز اور گاڑی، کوئی بس اور موٹر بغیر چلانے والے اور ڈرائیور کے اور کوئی طیارہ بغیر پائلٹ کے ایک لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں چل سکتا۔ اور اگر کوئی طیارہ وغیرہ بجلی اور ایٹم کی طاقت سے چلتا ہے تب بھی یہ یقینی امر ہے کہ اس کو بایں وضع و ترکیب بنانے اور جوڑنے والا بھی ضرور کوئی ہے، اور ہر عقلمند آدمی یہ جانتا ہے کہ یہ حیرت انگیز اور تعجب خیز کرشمہ از خود ہی نہیں تیار ہو گیا۔ ایک

معمولی دوکان بغیر دوکاندار کے نہیں چل سکتی اور ایک ادنیٰ مکان بلکہ کٹیا اور جھونپڑی بھی از خود نہیں کھڑی ہو سکتی تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ زمین و آسمان اور عالم علوی و سفلی کا یہ اعلیٰ و اکمل اور بہترین نظم و نسق از خود بن اور چل رہا ہے اور کس طرح یہ مان لیا جائے کہ یہ وسیع و محکم اور منظم کارخانہ بغیر کسی صانع حکیم کے چل رہا ہے یا اس کے بنانے میں کوئی معتد بہ غرض اور مقصد پنہاں نہیں۔ یہ کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ دنیا کی اس عظیم الشّان مشین کے بنانے اور چلانے والا اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب اور سلیقہ سے جوڑنے والا اور ہزاروں برس سے اس کی حفاظت و نگرانی کرنے والا کوئی نہیں؟ اور اس کا کیسے یقین و اذعان کر لیا جائے کہ سورج و چاند، ثوابت و سیّارات کا یہ حیرت انگیز انقلابِ لیل و نہار، صیف و شتاء اور موسم ربیع و خریف کا یہ نمایاں تغیّر و تبدل زبردست حکیم و قدیر اور صانع و علیم کی کارسازی سے مستغنی ہے۔ اور یہ محکم اور اٹل نظام اور یہ تصرفات و تقلّباتِ عظیمہ قادرِ مطلق کے دستِ قدرت سے بے پرواہیں اور کون ذی شعور اس باطل اور بے بنیاد نظریہ سے متفق ہو سکتا ہے، کہ یہ سب کچھ محض بخت و اتفاق اور بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے ظہور پذیر ہوا ہے؟ اس دنیا میں بارہا دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ جہاز جہاز سے، گاڑی گاڑی سے، بس بس سے، موٹر موٹر سے اور ٹرک ٹرک سے بلکہ ٹانگہ ٹانگے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے اور کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں، ستاروں کی نسبت ان کی تعداد اور گنتی کیا ہے؟ برائے نام اور محض صفر بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ چند ذرّے ہیں اور وہ پہاڑ ہیں، یہ گنتی کے محصور قطرے ہیں اور وہ ناپیدا کنار سمندر، یہ معدودے چند نقطے ہیں اور وہ پورا جسم یہ شمار کے چند افراد ہیں اور وہ غیر محدود ملّت و انجمن۔ مگر باوجود اتنے بڑے حجم اور وزن کے کوئی سیارہ

مشرق سے مغرب کی سمت بڑی سُرعت اور تیزی سے جا رہا ہے اور کوئی مغرب سے مشرق کی جانب سیاحت کر رہا ہے لیکن آج تک کبھی کہیں کسی سیارے کی دوسرے سیارے کے ساتھ ٹکر نہیں ہوئی اور نہ نظام کواکب میں تباہی و بربادی کا یہ سلسلہ اور توڑ پھوڑ کا یہ ہنگامہ ہویدا ہوا ہے۔ یہ کب مسلّم ہو سکتا ہے کہ ہزار ہا برس سے یہ مضبُوط و محکم اور اٹل نظام شمسی و قمری لیلی و نہاری اور ارضی و سماوی بغیر کسی چلانے والے کے ٹھیک نظام پر چل رہا ہے ' یا سب کچھ بے کار و بے فائدہ ہے اور اس کی کوئی غرض و غایت ہی نہیں۔ کیا ان میں ایک ایک چیز بزبانِ حال پکار پکار کر یہ نہیں کہہ رہی کہ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (کہ اے ہمارے پروردگار تُو نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی) ۔ دُور جانے کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں ، خود ہمارا ایک ایک عضو اور ایک ایک جوڑ اپنے اندر لاتعداد حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں رکھتا ہے ۔ اس چھوٹے سے وجود کے اندر کتنی اور کیسی قوتیں اور طاقتیں ہیں ، کسی قوت سے ہم سمجھتے ہیں ، کسی سے بولتے ہیں ، کسی سے سنتے ہیں اور کسی سے دیکھتے ہیں ، کسی سے چلتے ہیں اور کسی سے پکڑتے ہیں ، کوئی قوت ماسکہ ہے اور کوئی قوتِ ہاضمہ ہے ، کوئی عروق و عضلات میں خون پہنچا رہی ہے اور کوئی فضلات خارج کر رہی ہے ۔ کوئی خون اور چربی بنا رہی ہے اور کوئی پیشاب و غلاظت تیار کر رہی ہے ۔ اگر کوئی سمجھنا اور تسلیم کرنا چاہے تو اس کے لیے خود اُس کے وجود ہی میں اس کے لیے عبرت و موعظت کے لیے بہترین سامان موجود ہے ۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (پ ۲۶ ۔ الذّاریات ۔ ۱) لہٰذا ہم اس اقرار کے لیے مجبور ہیں کہ ہم ضرور کسی بڑے صانع کسی بڑے کاریگر اور کسی بڑے حکیم کی صنعت اور حکمت کا نتیجہ ہیں اور یہ اقرار و یقین صرف ہمارے ہی وجود تک محدود نہیں بلکہ اِس دنیا

. . . . . کی ایک ایک چیز پکار پکار کر صاف اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ قدیم ہی سے کوئی علیم و قدیر اور بلند و بالا ہستی ضرور ایسی موجود ہے جو ہم سب کی خالق ، سب کی حاجت روا سب کی فریاد رس اور سب کی آمر و حافظ اور صاحبِ قدرت و حکمت ہے جس نے اپنے علم و قدرت سے اس کائنات کو نیست سے ہست اور نابود سے بود کیا ہے اور زمین کا ایک ایک ذرہ اور ایک ایک تنکا بزبانِ حال اس کی شہادت دیتا ہے ۔ ؎

ہر گیاہے کہ از زمین روید   وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

الغرض زمین و آسمان میں صرف وہی ایک خدا ، ایک خالق اور ایک ہی مالک و منصرف ہے اور وہی باقی و حق ہے ۔ اس کے سوا تمام اشیاء فانی اور زوال پذیر ہیں ۔ اس کی ذات اپنی ازلیت میں سب سے اوّل اور اپنی ابدیّت میں سب سے آخر ہے اور ظہورِ صفات میں سب سے روشن تر اور نمایاں اور خفاءِ ذات میں سب سے پوشیدہ تر ہے ۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (پ ۲۷ ۔ الحدید ۔ ۱)   وہی اوّل ، وہی آخر ، وہی ظاہر ، وہی باطن ہے ۔

الغرض عقلی طور پر ہر صحیح المزاج انسان کی فطرت میں یہ میلان و رجحان پایا جاتا ہے کہ ایک نادیدہ ہستی ایسی ضرور ہے جس کی طرف لازماً رغبت کی جاتی اور کی جا سکتی ہے ۔ رغبت بھی ایسی کہ تمام رغبتوں سے فائق اور اسی سے خوف اور ڈر بھی ضروری ہے ۔ خوف بھی ایسا کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی مہیب و خوفناک نہیں ۔ ہم اگرچہ اُسے اِس دنیا میں عیاناً دیکھ نہیں سکتے لیکن اس کی قدرت کے جتنے علائم اور نشانات ہم دیکھتے ہیں اُن میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے ، جس کی نفی پر ہزار حجتیں اور لاکھ دلیلیں بھی بالکل بے کار ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کا بیانِ حقیقت ہمارے دائرۂ اختیار سے بالکل باہر ہے : ؎

دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے!

باری تعالیٰ کی ہستی کا نقلی ثبوت

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیتِ عامہ کا بنیادی عقیدہ جاہل و عالم، عامی و عارف، ہر شخص کے دل پر کم و بیش قبضہ جمائے ہوئے ہے اور کسی زمانہ میں دنیا کا کوئی حصہ اور خطہ ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس میں حق پرست لوگ اس عقیدہ اور یقین سے بے بہرہ رہے ہوں۔ تمام عقائدِ حقہ اور مذاہبِ سماویہ کی خوشنما اور دلکش عمارت کا سنگِ بنیاد ہی خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ربوبیت عامہ کے اعتقاد پر قائم ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور کتبِ سماویہ کا نزول وحی و الہام اور عقلِ سلیم سب اسی اجمال کی تشریح و تبیین ہے۔ ہستیٔ باری تعالیٰ کا یقین محکم اگر محض منطقیانہ استدلال و احتجاج پر منحصر ہوتا تو جاہل قوموں میں ہرگز یہ نہ پایا جاتا بلکہ تہذیب و تمدن کے ابتدائی مراتب میں بھی اس کا کہیں وجود نہ ہوتا۔ حالانکہ واقعیت بکسر اس کے خلاف ہے اور جہلاء کے دلوں میں جس وثوق و اطمینان کے ساتھ ہستیٔ باری تعالیٰ کا یہ محکم عقیدہ اور یقین موجود رہتا ہے، وہ بسا اوقات علماء اور فضلاء کے لیے بھی قابلِ صد رشک ہوتا ہے اس لیے حتماً اور یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ تخم رشد و ہدایت جو تمام آسمانی تعلیمات کا مبدأ اور منتہیٰ اور تمام ہدایاتِ ربانیہ کا وجود مجمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عہدِ ازل ہی میں بطور میثاقِ عام پوری فیاضی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا ہے تاکہ ہر آدمی

وحی و الہام اور عقل و فہم کی آبیاری سے اس تخم کو شجرۂ ایمان کی مضبوط جڑوں اور اعمالِ صالحہ کے مستقیم تنوں اور معاملات کی نازک اور لچکدار شہنیوں اور اخلاق و مکارم کے دلآویز اور خوشنما پتوں اور رضائے ایزدی کے لذیذ اور شیریں ثمرات تک پہنچا سکے۔ اگر وجود باری تعالیٰ کا یقین اور عقیدہ محض عقل و نظر اور اکتساب و استدلال پر ہی موقوف ہوتا تو اکثر انسان اس پر متفق و متحد نہ ہو سکتے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ اکثر فکر و استدلال کی موشگافیاں اور بحث و مباحثہ کی موشگافیاں اتفاق و یکجہتی کے بجائے اختلافِ آراء اور تشتتِ افکار ہی پر منتج ہوتی ہیں اس لئے تکوینی طور پر یہ نہایت ہی ضروری تھا کہ فطرتِ انسانی میں دیگر فطری خواہشوں کی طرح یہ یقین اور عقیدہ بھی ازل ہی سے ودیعت رکھا جاتا۔ تاکہ اس عالم میں ہر متلاشی حق اور منصف مزاج شخص اس سے بہرہ ور ہو سکتا اور ربوبیت اور الوہیت کا یہ دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ایک معمّا اور چیستان بن کر ہی نہ رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر صحیح المزاج آدمی جس کو عقلی اور روحانی تندرستی حاصل رہی ہے، اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہا ہے۔ باقی رہے وہ افراد جو کسی عقلی اور روحانی بیماری سے متاثر ہیں، ان کی بات ہی الگ ہے۔ ایسا ہی ایک ملحد یہ کہتا ہے کہ میں خدا کا بالکل منکر ہوں، خدا کا خیال جہالت، خوف اور قوانینِ فطرت کی عام ناواقفی سے پیدا ہوتا ہے (والعیاذ باللہ) — (وورالیٹیز آف ریلیجس ایکسپیریئنس لیکچر ۲، ص ۹۲ مطبوعہ ۱۹۰۲ء منقول از پروفیسر شاربک) مگر ان جیسے احمقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صفراوی بخار وغیرہ کا مریض میٹھی لذیذ اور خوشگوار دواؤں اور غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتانے لگے۔ ایسے لوگ انجام کار تندرست دنیا کے سامنے بلکہ مناسب وقت آنے پر خود اپنی ہی نظر میں بالکل دروغ گو اور قطعاً

جھوٹے ثابت ہوتے ہیں یا جیسے کوئی بھینگا ہو تو اُسے ایک چیز کی دو نظر آتی ہیں کیونکہ اس کی آنکھوں کی ساخت ہی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانی بھینگوں کو ایک اسلام کے دو اسلام اور ایک قرآن کے دو قرآن نظر آتے ہیں ایسے ملحدین کی بات ہی جُدا ہے

اسی ازلی عہد و میثاق کو اللہ تعالےٰ نے اس طرح پیش فرمایا ہے :۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ
عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ
قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا
غٰفِلِيْنَ ۝ (پ۹ - اعراف ۲۰)

اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پُشتوں سے اُن کی اولاد کو اور اقرار کرایا اُن سے اُن کی جانوں پر کہ کیا میں نہیں ہوں تمہارا پروردگار بولے کیوں نہیں؟ ہم اقرار کرتے ہیں (یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا) تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی (کہ ہمارا بھی کوئی رب اور حاکم ہے اور ہم اس کے احکام کے پابند ہیں)

یہ عمومی اور مثالی میثاق جو عہدِ ازل میں اللہ تعالیٰ نے لیا تھا حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی مرفوع روایت کے مضمون کے مطابق نعمان کے مقام پہ (جو میدانِ عرفات کے قریب ایک جگہ ہے) لیا گیا تھا اور سب کو باری تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی مانند اپنے سامنے کھڑا کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے سوال کیا تھا اور سب نے یک زبان ہو کر بلٰی سے جواب دیا تھا۔ (مسند احمد و مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۴)

اور حضرت اُبی بن کعبؓ (المتوفی ۱۹ھ) کی موقوف روایت (جو حکماً مرفوع ہے) کے الفاظ کے پیشِ نظر جب سب نے بلٰی کہا تو ربُّ العزّت نے فرمایا

کہ میں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں اور خود تمہارے باپ حضرت آدمؑ کو گواہ بناتا ہوں تاکہ :۔

ان تقولوا یوم القیٰمۃ لم نعلم بھذا
اعلموا انّہ لا الٰہ غیری ولا رب
غیری ولا تشرکوا بی شیئًا انی سارسل
الیکم رسلی یذکرّ ونکم عھدی و
میثاقی و انزل علیکم کتبی قالوا
شھدنا بانّک ربّنا والٰھنا لا ربّ
لنا غیرك ولا اِلٰہ لنا غیرك فاقروا
بذالك (الحدیث) مسند احمد و مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۴
و مستدرک ج ۲ ص۳۲۴ قال الحاکم والذہبیؒ صحیح

تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہمیں تیری ربوبیت اور الوہیت کا کوئی علم نہ تھا سو اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی حاجت روا ہے اور نہ کوئی تربیت کرنے والا ہے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا یہ عہد و پیمان یاد کرائیں گے اور میں تمہارے اوپر اپنی کتاب نازل کروں گا۔ سب نے کہا ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور الٰہ ہے، اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ تو تیرے بغیر ہمارا کوئی رب ہے اور نہ کوئی الٰہ ہے

اس عہد میں اللہ تعالےٰ نے اپنے رب ہونے کا اقرار کرایا ہے نہ کہ اَب ہونے کا۔ اور واضح الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ وہ رَبُّ العٰلمین ہے، ابُ العٰلمین نہیں اور اسلام میں ربّ کا مرتبہ اور احترام اَبْ کے درجہ اور تعظیم سے کہیں بڑھ کر اور بلند ہے کیونکہ باپ کا تعلق بیٹے سے صرف آنی اور جسمانی ہوتا ہے۔ مگر ربّ کا تعلّق اپنے مربوب سے اس کی پیدائش اور وجود کے اوّلین لمحہ سے لے کر آخری لمحہ

تک بلا انقطاع برابر جاری رہتا ہے اور اس فانی جہان کے بعد ابدی اور سرمدی جہاں میں اس کی ربوبیت کا جو ظہور ہوگا وہ ہماری سمجھ و ادراک سے بالاتر ہے۔ ہم کیا اور اُس کے غیر محدود الطاف اور عنایات کیا؟

اسی ازلی میثاق اور خدائی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ اولادِ آدم کے فطری، عقلی اور روحانی طور پر تندرست افراد ہر قرن اور ہر زمانہ، ہر گوشہ اور ہر خطۂ ارضی میں حق تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت عامہ کا ایک حد تک اقرار کرتے رہے ہیں اور آج بھی اس دور زندقہ و الحاد میں کروڑوں کی تعداد میں اس کی ربوبیت کا اقرار اور اذعان کرنے والے موجود ہیں اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو اپنے محبوب حقیقی کی محبت و رضا میں فنا میسر ہو جاتی ہے تو پھر بیگانہ و یگانہ، مکروہ و محبوب کا سارا امتیاز ہی سرے سے اُن کے دلوں سے اُٹھ جاتا ہے اور دن بدن اُن کی روحانیت ترقی پذیر ہوتی ہے اور انوارِ الٰہیہ کی تجلی ان کیلئے بڑھتی اور نکھرتی ہے اور رحمتِ خداوندی اپنی پُوری وسعتوں کے ساتھ کھل اور کھل کر ان کے سامنے آتی ہے اور ایسے کاملین اور خدا رسیدہ حضرات کو یہ ملال اور خیال کبھی نہیں آتا کہ دُنیا ان کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟ ان کی تمام محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری کا صرف ایک ہی مرکز اور ایک ہی محور باقی رہ جاتا ہے اور وہ محض اپنے محبوب حقیقی کی معرفت و محبت اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ سے اس کی رضا جوئی مال و اولاد کا تو ذکر ہی کیا اگر اپنے نفس کے ساتھ بھی اُن کی اُلفت و محبت باقی رہ جاتی ہے تو وہ بھی صرف اُسی ہی کی خاطر۔ اس کی راہ اور رضا میں تمام قربانیاں شیریں بن جاتی ہیں اور اس کی ناراضگی میں ساری خوشیاں کانٹے نظر آتے ہیں۔ اس کی خوشنودی

کے لیے گردنیں کٹوانا حیاتِ ابدی معلوم ہوتی ہے اور اس کی خلاف مرضی میں عیش و آرام کی پُر کیف زندگی بھی سراسر موت دکھائی دیتی ہے۔ مگر یہ مقام صرف اُسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے روحِ شریعت کو سمجھ کر مجاہدۂ نفس کی منزلیں طے کی ہوں، کیونکہ ؎

ہزاروں منزلیں کرتا ہے طے پانی کا اک قطرہ
صدف میں تب کہیں ہوتا ہے تابندہ گہر پیدا

ربِّ قدیر کا انکار کیونکر؟

اگرچہ ملحدین اور دہریے اپنے لیے خدا کا نام اور تصور پسند نہیں کرتے مگر ان احمقوں کے انکار سے اس کی ربوبیت پر کیا زد؟ ان کی عقل کی خامی دیکھئے کہ خدا اور الٰہ حقیقی کا تو وہ انکار کرتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں لیکن اپنے ہی جیسے انسان کو صدرِ مملکت اور وزیر اعظم وغیرہ کی صورت میں اپنی جانوں کا مالک و مختار یقین کرتے ہیں جس کے حکم کے سامنے وہ سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور و مقہور ہوتے ہیں اور جسکی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ اور اشتیاق ان کے دل کو بے قرار اور ان کی رُوح کو بے چین رکھتا ہے۔ آخر کوئی نصب العین اور کشش تو ہے جو ان کے قلب و جگر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، جسکی نشر و اشاعت کے لیے وہ جنگل اور پہاڑ کاٹ کاٹ کر ملک ملک اور گوشہ گوشہ کا چکر لگاتے ہیں اور کروڑوں بلکہ اربوں اور کھربوں روپے اس کے پروپیگنڈہ پر صرف کرتے ہیں اور اپنے مصنوعی رب کی توصیف و تعریف میں ہر وقت اور ہمہ وجوہ وہ رطب اللسان رہتے اور ہر مجلس و

محفل میں اس کے ترانے گاتے ہیں اور نہ سہی تو نفس امارہ کی بندگی اور اطاعت تو کہیں نہیں گئی، ان کی بدبختی اور شومیٔ قسمت دیکھئے کہ حقیقی اور برحق رب اور رؤف و مہربان خدا کے مقابلہ اور بدل میں ان کو یہ مخترع، خود ساختہ اور تراشیدہ اِلٰہ کیسے بھا گیا؟ اور کس طرح اس کی بھول بھلیاں اُن کے لیے فریبِ نظر اور تسکینِ عقل کا ذریعہ بن گئیں۔ قرآن مجید میں ایک مختصر مگر نہایت جامع مضمون حسن و خوبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یوں بلیغانہ انداز میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جس کی جامعیت پر ہر حقیقت پسند دل وجد آفریں دکھائی دیتا ہے اور وہ منکرِ خدا کی سیاہ اور تاریک پیشانی پر کوکبِ درخشندہ کی طرح صاف چمک رہا ہے:-

اَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ ط	بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے اپنا اِلٰہ
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ○	(اور حاکم) بنالیا، اپنی خواہش کو کہیں بے
(پ۱۹۔ الفرقان۔۴۳)	سکتا ہے تو اس کا ذمہ؟ (ہرگز نہیں)۔

غور کیجیے کہ جس شخص اور قوم کا مزاجِ روحانی اس قدر بدل اور بگاڑ چکا ہو کہ اُس نے اپنی خواہش کو اپنا اِلٰہ، حاکم اور مطاع بنا دیا ہو کہ جدھر اُس کی خواہش اُسے لے گئی، اُدھر ہی وہ جُھک پڑا اور جو بات خواہش اور مرضی کے مطابق ہوئی وہی قبول کرلی اور جو عمل نفس کے موافق ہوا وہ اختیار کرلیا اور جو قول و عمل خواہش کے موافق نہ ہوا وہ ردّ کر دیا۔ آخر اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ یوں تو عہدِ میثاق کے علاوہ بھی بیشمار حسّی اور معنوی دلائل خداوند عزّ کی الوہیت اور ربوبیت کے اثبات و اقرار پر موجود ہیں مگر شومیٔ قسمت کا کیا کہنا؟ ؎

سمجھ میں مسئلہ توحید آتو سکتا ہے   ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

رضائے حق کی تلاش ایک فطری امر ہے

اگر کوئی شور بخت اور حرماں نصیب عہدِ ازل کی اس صحیح فطرت کو اپنے کسبِ شر اور ارادۂ سوء سے (جس میں وہ مختار تھا اور اسی پر مدارِ تکلیف ہے) ضائع اور اکارت نہیں کرچکا اور اگر اُس کے عمقِ قلب میں ہنوز ایمانی حرارت کے کچھ بھی آثار موجود ہیں اور اگر اس کی سعید روح قبولِ حق کی صلاحیت سے نامانوس نہیں ہوچکی اور اگر اس کا دماغ ماؤف اور مفلوج نہیں ہوچکا تو اُس کی دل کی گہرائیوں سے بار بار یہ صدا اور نوا اُٹھے گی کہ مجھے اپنا خالق و مالک اپنے منعم و پروردگار سے (جس کی ربوبیتِ عامہ کا میں پہلے ہی سے علیٰ رؤس الاشہاد بَلٰی کہہ کر اقرار کرچکا ہوں) تعلق اُستوار رکھ کر اُس کا قرب اور رضا جوئی حاصل کرنی چاہیئے اور اس کا دل اس امر کی پُرزور اپیل کرے گا کہ وہ اپنی اس ناپائدار اور فانی زندگی کی رفتار کو صراطِ مستقیم پر جاری رکھ کر اپنے تمام جذبات اور احساسات کو رضائے الٰہی کے تابع کردے اور وہ صمیمِ قلب سے یہ چاہے گا کہ تقربِ خداوندی کے حصول کے لیے اپنے ذاتی خیالات و خواہشات، عیش و آرام اور اولاد و مال کی محبت و وابستگی رشتہ داروں سے تعلقات اور دیگر تمام رجحانات اور میلانات سے یکسو ہوکر اور ان میں سے جو کانٹا بھی دامن گیر ہو اس کو جھٹک کر الگ کرکے وہ صرف ایک ہی رب کو راضی کرے جو سب کا مالک کا پروردگار سب کا بادشاہ اور اِلٰہ ہے، جس کی نصرت و تائید اور رحمت و رأفت سے کسی طرح کوئی مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتا اور وہ اپنے دل میں کامل یقین اور

زبان سے اقرار کرے گا کہ جملہ مصائب و آلام کی تلاطم خیزیوں اور شدائد و نوائب کی بلا انگیزیوں میں صرف اُسی ہی کی مدد اور معونت حصنِ حصین ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھے گا کہ اس کی عظمت و کبریائی کا اقرار اس کی تعظیم و احترام کا صحیح جذبہ اور اس کی اطاعت و حکم برداری کے لیے انقیاد مستعار زندگی کا متاعِ عزیز اور شرفِ انسانیت کی اعلیٰ کڑی ہے اور اس کو یہ مان لینے میں ہرگز کوئی تامّل نہ ہو گا کہ مالکِ حقیقی جس کو جس حالت میں رکھنا مصلحت اور مناسب سمجھے وہ اپنی حکمت و علم کے موافق تدبیر کرتا ہے، کسی کی کیا مجال ہے کہ اُس کے ارادہ کو روک یا بدل سکے یا اُس کی تخلیق و تقسیم پر حرف گیری کر سکے اور اس کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر صرف ایک خدا کی طرف جُھکے گا جو اس کی ہر قسم کی دُنیوی وحشت اور گھبراہٹ کو دور کر دے گا اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ صرف یادِ الٰہی دلوں کے اضطراب و بے چینی کو دُور کر سکتی ہے اور اسی ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ آخر ارشادِ ربّانی ہی تو ہے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق بھلا دیئے اور اُس کی یاد اور عبادت سے غفلت اور بے پروائی برتی، ایسے غافل شعار انسانوں کو خود اپنی عزیز جانوں اور ان کے فوائد و مضرات تک کی خبر نہیں رہتی اور وہ ضلالت و غوایت کے وسیع جنگلات اور عمیق وادیوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اور ایسے ہی غافل انسان اصلی زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور ایسے سوختہ بخت انسانوں کے دل سرود اور چین کی زندگی حاصل کرنے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ مگر ان کی شومیٔ قسمت یاوری نہیں کرتی اور انہیں کہیں بھی چین و سکون کی زندگی

مُیسّر نہیں آتی۔ اگرچہ دیکھنے میں اُن کے پاس مال و دولت اور سامانِ عیش و عشرت کی کوئی کمی نہیں ہوتی مگر ان کا دل توکّل و قناعت سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دُنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمیٔ دولت کے اندیشہ میں بے آرام و بے چین رہتا ہے کسی وقت ننانوے ۹۹ کے پھیر اور چکّر سے ان کا قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت کا خوف اور زوالِ دولت و ثروت کے خطرات الگ سوہانِ رُوح بنے رہتے ہیں اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ گمراہی اور بے راہروی کا مرقّع نظر آتا ہے اور عموماً ایسے ہی لوگ اپنی زندگی کے پُرسکون اور طمانیت بخش دَور اور ماحول کو فرعونیوں، حق فراموشیوں ہرستیوں اور رنگ رلیوں میں گذار دیتے ہیں۔ تمرّد اور سرکشی کا کوئی پہلو اور کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا جو ان کے رگ و پے میں سرایت نہ کر چکا ہو اور ایسے حرص و آز کے پُتلوں کا پیٹ خاکِ گور کے بغیر اور کوئی چیز پُر ہی نہیں کر سکتی۔ جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ :-

وَلَا یملأ جوف ابن آدم الّا التراب	ابنِ آدم کے پیٹ کو بجز خاک کے اور کوئی
ویتوب اللہ علیٰ من تاب	شئے پُر نہیں کر سکتی ہاں مگر جو توبہ کرلے تو
(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۱)	اللہ تعالیٰ اس پر رجوع فرماتا ہے۔

اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدوں یادِ الٰہی کے ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا مگر اس کی ایک اہم شرط بھی ہے کہ ؎

ذوقِ ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

جب انسان کا دلِ عشقِ الٰہی، ذکرِ رحمٰن اور اس کے شوقِ ملاقات کے درد محبت سے خالی ہو جاتا ہے تو اس خالی مکان کو ابلیس اور اس کے چیلے چانٹے اپنے لیے

الاٹ کرا لیتے ہیں اس لیے کہ ایسے بہترین مکان کا مکین سے خالی رہنا خلافِ عادت ہے۔

دل ہو اور اس میں دردِ محبت کہیں نہ ہو
عبرت کا ہے محل کہ مکاں ہو مکیں نہ ہو

اور شیطان ہر قسم کے وساوس اور خیالات کے ذریعہ اس کو بدی کے مہلک اور خطرناک راستہ پر لے جاتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ اس کو دکھاتا ہے جن سے شیطانی کام کی الفت اور محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور شب و روز وہ اس میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے اور تعیش و تلذذ کی فانی زندگی کا دلدادہ ہو کر شیطان کا وفادار ایجنٹ بن جاتا ہے۔ پھر اس پہ ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ معرفت کردگار اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی، دارین کی نجاح و فلاح، دینی فہم و ذکا اور خداشناسی اور خدا خوفی کے صحیح جذبے سے یکسر محروم ہو جاتا ہے، اس کے لیے کوئی بدی بدی نہیں رہتی اور کسی نیکی اور کارِ خیر کا ترک و ہجران اس کے لیے باعثِ ندامت و شرمندگی نہیں ہوتا، اور یہی حالت انسان کی سب سے زیادہ مضر اور ناکام حالت ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جب کوئی بدنصیب رحمان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو شیطان اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا ۔ ایسی مذموم زندگی کی جتنی اور جس قدر بھی مذمت کی جائے اتنی ہی کم ہے، کیونکہ اس میں انسان شرفِ انسانیت کی رفعت اور بلندی کی اعلیٰ گھاٹی سے ایک ہی جست سے ذلت اور نکبت کے غارِ عمیق میں جا پہنچتا ہے لیکن وہاں سے ہزار چھلانگ لگانے پر بھی اس کا نکلنا عادۃً محال ہو جاتا ہے الّا یہ کہ اللہ تعالےٰ دستگیری فرمائے۔

عہدِ ازلی کا نتیجہ ہر صحیح المزاج نفس کو یاد ہے

گ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

بارہا مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں یہ سوال اس میثاق پہ وارد ہوا ہے کہ اگر واقعی ایسا کوئی عہد و پیمان اور میثاق ہم سے لیا گیا تھا تو ہمیں اس کا علم ہوتا کہ کس وقت ہوا اور کس جگہ ہوا اور کس ماحول میں ہوا؟ بلاشک آج ہمیں یہ تو یاد نہیں کہ یہ اصولی اور بنیادی عہد و میثاق کا اقرار اور اس کی تعلیم کب، کہاں، کیسے اور کس ماحول میں دی گئی تھی؟ مگر ہر ادنیٰ سمجھ اور عقل والا آدمی اس کو بخوبی سمجھتا ہے کہ جس طرح ایک واعظ و مقرر، ایک انشا پرداز و ادیب اور ایک معلّم و مدرّس کو یہ کامل یقین ہے کہ جو الفاظ اس وقت میری زبان و قلم سے نکل رہے ہیں، یہ ضروری امر ہے کہ ابتدائے عمر میں کسی نے یہ الفاظ بولنے اور لکھنے مجھے سکھائے ہیں جس کی تعلیم و تربیت اور استفادہ سے ترقی کر کے آج میں اس بلند مقام پر پہنچا ہوں کہ لوگ مجھ سے استفادہ کرنے اور زانوئے تلمذ تہ کرنے کو باعثِ صد افتخار سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اُسے یہ یاد نہ ہو کہ مجھے سب سے پہلا لفظ سکھانے والا کون تھا؟ اُس کا لب و لہجہ کیا تھا؟ سکھلانے کا وقت مکان اور دیگر خصوصیاتِ مقامی کیا تھیں؟ میرے ساتھ کوئی اور بھی تھا یا میں صرف اکیلا اور تنہا تھا؟ اور اس وقت مجھ پہ اس تعلیم کا کیا اثر ہوا؟ یہ اور اس قسم کے بیسیوں گوشے سامنے آتے ہیں جن کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا مگر اس تعلیم کے موجودہ آثار و نتائج سے یہ یقین کامل اور اذعان و وثوق پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسی تعلیم ضرور واقع ہوئی ہے

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ بنی نوع انسان کو خالقِ کائنات نے عہدِ ازلی میں اس عمومی میثاق کے ذریعہ اپنی ربوبیت، بعثتِ رُسل اور انزالِ کتب کی تعلیم دی تھی۔ گو اس تعلیم کے ابتدائی منازل اور مراحل تو ان کو یاد نہیں اور نہ اس کی دیگر خصوصیات ان کے پیش نظر ہیں مگر اس سرزمین پر بسنے والے کروڑوں انسانوں کا عقیدۂ ربوبیت اور اس کا اقرار وشہادت کیسے نظر انداز کی جا سکتی ہے؟ جو زمین کے ہر خطّہ پر اور ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں اس کا اقرار کرتے رہے ہیں اور اب بھی زبان سے اقرار اور دل سے اس کی پوری تصدیق کرنے والے بفضلہ تعالیٰ کروڑوں موجود ہیں۔ اس اقرار وشہادت کا وجود ہی اس ازلی اور فطری تعلیم کا پتہ بتاتا ہے، جس کا نمایاں اور واضح اثر بدستور آج تک انسانی فطرت اور سرشت میں موجود چلا آتا ہے اور وہ اس کے اقرار کرنے پر مجبور ہیں۔ آخر بلاوجہ تو یہ نہیں کہا گیا کہ ؎ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!

باقی جس نے روحانی علالت اور خامیٔ عقل کے سبب یہ فطرت اور استعداد ہی ضائع کر دی ہے تو اس کا معاملہ ہی الگ اور جدا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا یہ محکم فیصلہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ

ایمان بالملائکہ

ایمانیات میں سے ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتوں کو تسلیم کیا جائے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک نوری مخلوق ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ (المتوفاة ۵۸ھ) کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

خلقت الملٰئکة من نور (مسلم ج۲ ص۴۱۳ و مشکوٰة ج۲ ص۵۱۰) فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

مگر یہ یاد رہے کہ اس نور سے نورِ مخلوق مراد ہے۔ خالق کا نور جو اس کی صفتِ قدیمہ ہے ہرگز مراد نہیں ہے۔ فرشتے نہ مرد ہیں اور نہ عورت، نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں، نہ سوتے ہیں اور نہ اونگھتے ہیں، نہ سستی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح وتقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آسمان پر کوئی چپہ ایسا نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت میں مشغول نہ ہو۔ (مستدرک ج۴ ص۵۸۴ قال الحاکم والذہبی صحیح) اور کعبہ شریف کے عین محاذات اور برابر میں ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کو البیت المعمور کہتے ہیں، وہ فرشتوں کا مطاف ہے اور جب سے دنیا کا نظام جاری ہے اسی وقت سے قیامت تک روزانہ ستّر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر مدة العمر اُن کو دوبارہ طواف کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ فرشتوں کی تعداد کو بجز اُن کے خالق کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (پ۲۹۔ المدثر) اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی مختلف قسم کی ڈیوٹیاں مقرر کر دی ہیں۔ کوئی آسمانوں پر مصروفِ کار ہیں اور کوئی زمینوں پر اپنے اپنے کام میں منہمک ہیں۔ وہ تمام عیوب ونقائص سے معصوم ہیں۔ نہ تو وہ خدا تعالیٰ کی صفات میں اس کے شریک ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں سب سے بڑے رتبہ کے فرشتہ کا نام حضرت جبریل علیہ السلام ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام پر وحی لایا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ حضرت میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام مشہور فرشتے ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں فرشتوں کے متعدد فرائض اور ڈیوٹیاں بیان کی گئی ہیں جن کو وہ نہایت اخلاص اور وفاداری کے ساتھ بجا لاتے ہیں۔

اور کسی کام میں کوئی ادنیٰ سا تساہل بھی نہیں کرتے۔

ایمان بالکتب

اللہ تعالیٰ کی جملہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اصلاح اور ہدایت کی خاطر وقتاً فوقتاً حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے ہیں جن کی صحیح گنتی تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے البتہ بعض علماءِ عقائد نے لکھا ہے کہ ایک سو چار کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ نے نازل کئے (فتوح العقائد ص۴۵ وغیرہ) جن میں چار کتابیں مشہور تر ہیں۔ تورات جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اُتری اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منزل ہوئی اور قرآنِ کریم جو سیّد الرسل امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اُتارا گیا۔ ان تمام ہدایت ناموں میں دین و دنیا کی فوز و فلاح اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اصلاح نہایت احسن اور اعلےٰ طریقہ سے بیان کی گئی ہے جس سے زیادہ بہتر اور کوئی طریقہ متصور نہیں کیا جاسکتا۔

آخری کتاب

قرآن پاک جو مذہب اسلام کی اصل اور اساس ہے، جان و مال کی حفاظت کا محکم اور اٹل نظام ہے۔ بدی اور بدکرداری کو نابود کرنے کا ایک ناقابلِ تنسیخ و تردید ضابطۂ حیات ہے

اور کسی مذہب کی کوئی الہامی اور آسمانی کتاب ایسی نہیں بتائی جاسکتی جس کو ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے قرآنِ کریم کی طرح کامل اور ناطق کہا جاسکتا ہے۔ یہ قرآنِ کریم ہی ہے جس نے پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو اُن کی جگہ سے ہٹا دیا۔ قلوب بنی آدم کی زمین کو پھاڑ کر اس میں معرفتِ الٰہی کے شیریں چشمے جاری کر دیئے۔ وصول الی اللہ کے دشوار گذار راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرا دیئے۔ مردہ قوموں اور پژمردہ دلوں میں ابدی زندگی کی رُوح پھونک دی۔ قرآن مجید معاش و معاد کا کامل ترین دستور العمل، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جامع تر آئین ہے۔ انس و جن کی تہذیب و تزکیہ اور ان کی انفرادی و اجتماعی برتری اور سازگاری کا مکمل قانون ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے بغیر تخصیص زمان و مکان اور بدوں لحاظ رنگ و نسل نہایت عمدہ متین اور جامع تعلیم پیش کرتا ہے۔ وہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور نبوت و معاد سے بحث کرتا ہے، اسی طرح وہ دیگر اصولی عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات اور تمدن و سیاست سے بھی اصولی اور کلّی حیثیت سے بحث کرتا ہے اور زندگی کے کسی اہم اور قابلِ قدر پہلو اور گوشہ کو اصولی طور پر تاریکی میں چھوڑ کر اپنے متبعین کو متحیّر اور ششدر نہیں چھوڑتا۔ قرآن کریم کی موجودگی میں کسی شخص کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے اصولی طور پر کسی دوسری مشعلِ راہ کی مطلقاً کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی آخری کتاب اور حق و صداقت کی علمبردار اور رہبرِ معرفتِ باری اور ہادیٔ سبیلِ ربّ کی آمد سے خزانِ ضلالت بالکل ختم ہو چکی ہے اور کلمۂ حق کا موسم ربیع شروع ہو کر اپنے کمالِ عروج تک پہنچ چکا ہے۔ یہ مبارک کتاب پورے تیئس ۲۳ سال میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس کی ابتداء غارِ حرا میں ہوئی اور پھر

تقریباً تیرہ سال مکّہ مکرمہ میں نازل ہوتی رہی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ طیبّہ کی طرف ہجرت کی تو دس سال یہ کتاب موقع اور ضرورت کے مطابق وہاں نازل ہوتی رہی تاآنکہ اس کا آخری پیغام عرفات کے وسیع میدان میں جمعہ کے دن نازل ہوا جس کو ایک لاکھ سے زائد شمع نبوّت کے پروانوں نے سُنا اور سعادتِ عظمیٰ اور اتمام نعمت کی بشارتِ عظیمہ سُن کر فرطِ مسرّت اور بے حد خوشی سے زمزمہ تحمید سے سرشار ہوئے۔

وہ آخری تحفہ یہ ہے:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (پ ۶۔ المائدہ ۱۰)	آج کے دن مَیں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمّل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ہے۔

اِیمان بالرُّسُل

اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بعض برگزیدہ بندوں کو وحی اور الہام کے ذریعہ علم عطا فرماتا ہے جو ظاہری حواس سے بالاتر ایک ذریعہ علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی سے جو علم حاصل ہوتا ہے، اسمیں نہ تو عقل ترمیم کر سکتی ہے اور نہ ترمیم و تصرّف کا حق ہی رکھتی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم، کوئی مُلک اور کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا کہ کسی نہ کسی رنگ میں نسل انسانی وحیِ الٰہی کے عقیدہ سے الگ رہی ہے اور فطرتِ انسانی کی تشنگی بذریعۂ وحی مبدّل بہ سیرابی نہ ہوتی رہی ہو۔ یہ

وہ مقدّس اور برگزیدہ گروہ ہے جو خدا تعالیٰ کی بسائی ہوئی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں اور متعدّد زبانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت اور ارشاد و تبلیغ کا چراغ روشن کرتا رہا۔ آج اِنس و جِنس کے سرمایہ میں جتنی کچھ فلاح و سعادت، زہد و ریاضت، تقویٰ و ورع، خدا ترسی و خلقت پروری، روحانیت و محاسن اخلاق، خیر اندیشی و فیض رسانی، پاکدامنی و حیا، تحمّل و صبر، کفایت شعاری و راستبازی، عالی ہمتی و صلح پسندی، سچی محبّت و ہمدردی، توکّل بخدا اور رضا بالقضاء وغیرہ وغیرہ عمدہ اخلاق و اعمال اور اعلےٰ و ارفع زندگیوں کے جو کچھ اور جتنے کچھ اچھے اور نیک اثرات اور نتائج موجود ہیں، وہ سب انہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آتے اور گذر گئے۔ کیونکہ اس عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ ان حضرات کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدّس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ کیونکہ ہر پیدا ہونے والے کے لیے مرنا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ لیکن کیا ہی خوش بخت و سعادت مند ہے وہ موت جو مقصدِ حیات کی تکمیل کے بعد آئے۔ یہی وہ قابلِ رشک موت ہے جس پر نفس شماری کی لاکھوں زندگیاں تصدّق کی جا سکتی ہیں اور اسی موت میں حیاتِ ابدی کا بھید اور راز پوشیدہ ہے۔ محض خواب و خور اور تلذّذ و تعیش کی زندگی ایک بہیمانہ اور حیوانی زندگی اور کھیل و شغل کا سامان ہے وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَہْوٌ وَّ لَعِبٌ (الآیۃ)۔ یہ حضرات آنے والوں کی رہبری کے لیے جگہ جگہ اپنے نیک آثار اور نقشِ قدم چھوڑ گئے ہیں۔ جو بزبانِ حال و قال پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ:؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے　　　کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

نبوت اور رسالت کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری رہا ہے

الغرض ابتدائے آفرینش سے انسانوں کے لیے سلسلہ رشد و ہدایت کا نہج اور اسلوب یہی رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تشریف لاتا اور پیغامات خداوندی لوگوں تک پہنچاتا۔ خود بھی اُن پر پابندی کرتا اور اپنے متبعین اور پیروکاروں سے بھی عمل کرواتا اور پھر دنیا سے چلا جاتا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ پیغامات اور احکام اُن کی قوم کے پاس صحیح اور اصلی شکل میں محفوظ رہتے لیکن ازاں بعد جب اربابِ اقتدار واختیار کی خود غرضانہ مکاریاں اور حیلہ جوئیاں اپنا دستِ تصرف بڑھاتیں تو اس صاف و شفاف اور شیریں چشمہ کو اپنے قلبی میلانات و رجحانات اور نفسی خواہشات واہوا اور خود ساختہ اور خود تراشیدہ ذہنی تصورات و تخیلات کی آمیزش سے اس قدر مکدر کر دیتیں کہ کچھ عرصہ کے بعد اصلیت اور حقیقت انہی آلائشوں اور آویزشوں میں مفقود ہو کر رہ جاتی اور انسانوں کی یہ گم کردہ راہ جماعت وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر تاریکی میں رہ جاتی ہے اور اس وحشت و جہالت کے عالم میں حق کا متلاشی انسان ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی اس وسیع سرزمین پر اسے کہیں روحانی حیات کا نشان اور خوشنودیٔ حق کی تازگی کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا۔ ہر گوشہ اور ہر طرف سے مایوس و ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اُٹھتی تھیں اور صرف ایک مشکل کُشا اور ایک پکار سُننے والے کو پُکار پُکار کر کہتی تھیں کہ مَتیٰ نَصْرُ اللّٰہ۔

اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مذہب اپنے نبی اور رسول کی سیرت اور

عملی زندگی کے بغیر بالکل ناکام رہتا ہے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی تو پھر ایک اور رسول اور نبی آجاتا اور پیغام باری تعالیٰ کو ان تمام تحریفات اور الحاقات سے بالکل پاک و صاف کر کے اس کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کر دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون (الحدیث) بخاری ج ۱ ص ۴۹۱ ومسلم ج ۲ ص ۱۲۶ ومشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۰)

آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح وسیاست حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں تھی۔ جب ایک نبی چلا جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی تشریف لے آتا اور یہ یاد رکھنا کہ میرے بعد کسی کو نبوت نہیں ملیگی ہاں البتہ خلفاء بکثرت ہوں گے۔

یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تا آنکہ حضرات انبیاء بنی اسرائیل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے آخری نبی صاحب انجیل تشریف لائے تو اُنہوں نے اپنی نبوت و رسالت کو صرف بنی اسرائیل تک محدود ہونے کا واشگاف الفاظ میں ایک خاص موقع پر اپنے مخلص شاگردوں کے سامنے یوں اعلان فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں (جو اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کی سرسبز و شاداب اور لہلہاتی ہوئی کھیتی چر گئی ہیں اور کہیں تو بھیڑوں کے بجائے بھیڑیوں کی صورت میں نمودار ہوئی ہیں۔ فوا اسفا) کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی۔ ب ۱۵۔ آیت ۲۴)

اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بارہ حواریوں کو (جن کے نام بتا کر ان کو بارہ رسولوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۱۰ آیت ۲ تا ۴)

تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان کو یہ حکم دیا کہ ۔" غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے
کسی شہر میں داخل نہ ہونا ۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس
جانا ۔ (انجیل متی ۔ باب ۱۰ آیت ۵-۶)"

اور قرآن کریم بھی اس کو صاف الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام
کی نبوت اور رسالت صرف بنی اسرائیل کی قوم تک محدود تھی ۔ انجیل کے اس بالا حوالے
کے بعد جو بالکل صاف اور صریح ہے عیسائیوں کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ غیر
اسرائیلیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کریں کیونکہ جب حضرت یسوع مسیح علیہ السلام صرف اسرائیل
کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے رسول ہیں تو وہ بھلا تمام دنیا کے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے
ہیں ؟ اور ان کی تعلیم کیسے عام ہو سکتی ہے ۔ یہ کام تو صرف دنیا کے سردار کا ہے جو ساری
کائنات کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ۔

غرضِ رسالت

انسان کی اس پیاس کو بجھانے کی غرض سے جو عہدِ میثاق میں اقرارِ ربوبیت ،
معرفتِ الٰہی ، رضائے خداوندی اور اپنی تخلیق اور زندگی کے حقیقی مقصد سے آگاہ ہونے
اور دائمی و ابدی راحت حاصل کرنے کے لیے اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی اللہ
تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور رحمت و رأفت سے حضرات انبیاء و رُسل علیہم
الصّلوٰۃ والسّلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو وحی و الہام کے ذریعہ ہدایت نامے دیے ۔ کیونکہ
جب سے اس سرزمین پر نسلِ انسانی آباد ہوئی ہے ٹھیک اسی وقت سے انسانوں میں جسمانی
بیماریوں کی طرح روحانی اور اخلاقی بیماریاں بھی بدستور چلی آتی ہیں اور اسی وقت

سے انہی مہلک امراض کے معالجوں (یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا
سلسلہ بھی جاری رہا ہے ۔ جنہوں نے عقائد و اعمال اخلاق و معاملات اور انسانوں کے
باہمی تعلقات کو قولی و عملی شکل میں نمایاں طور پر واضح کیا ہے ، جن کے ذریعہ انسان
عظیم الشان فوز و فلاح اور سعادت دارین سے ہمکنار ہو سکتا ہے ۔ اس لیے ہر ملک
اور ہر قوم میں خدا تعالےٰ کے بھیجے ہوئے ہادیوں اور رسولوں کا آنا اور آ کر اللہ تعالےٰ
کی توحید خالص اور دیگر اہم بنیادی عقائد و مسائل سے آگاہ کرنا ایک نہایت ہی ضروری
امر تھا اور اللہ تعالےٰ نے صرف نسلِ انسانی ہی میں مختلف اقوام اور متعدد ممالک میں
مناسب اوقات میں نبی اور رسول بھیجے جو اپنی اپنی قوم کے لیے مشعل راہ اور چراغ
ہدایت ثابت ہوئے ، کیونکہ اس رؤف و رحیم اور رب العلمین کی شانِ اقدس سے یہ بالکل
ہی بعید تھا کہ وہ مخلوق کی جسمانی پرورش اور حفاظت کے لیے تو تمام ضروری سامان
مہیا کر دیتا مگر ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت سے وہ غافل اور بے خبر رہتا (معاذ
اللہ) جبکہ مخلوق کی حقیقی فلاح و کامرانی صرف روحانی و اخلاقی تربیت ہی سے
وابستہ ہے لہٰذا حقیقی صلاح و فلاح اور فوز و نجاح کے لیے اشد ضرورت تھی
کہ خدا تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے طریقے سکھلاتے اور رضائے الٰہی کی
راہیں بتانے کے لیے دنیا میں نبی اور رسول خدا تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پ ۱۳ ، رعد ۱)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو عذابِ خداوندی سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کی طرف ہدایت کرنے والا آیا ہے ۔

ان پیغمبروں اور ہادیوں (علیہم السّلام) نے ہمیشہ انسانوں کو صحیح انسانیت پر قائم
رکھنے کی کوشش اور کاوش کی اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو اُستوار اور خوشگوار
رکھ کر معبودِ حقیقی کی عبادت بجالانے کی تلقین کی۔ اس سعی میں ان کو کبھی تو وعظ و پند
سے کام لینا پڑا اور کبھی ضعیفوں اور کمزوروں کو بہادر اور دلیر بناکر کج فہم اور سرکش ظالموں
کا سر توڑنے اور ان کے کبر و غرور کو پیوندِ زمین کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ انہیں
ہادیوں اور رہبروں کی لائی اور پیش کی ہوئی پاک تعلیمات کا یہ اثر اور نتیجہ
تھا کہ دنیا میں بار بار ظلم و عصیان اور جور و طغیان کے سیاہ طوفان برپا ہونے کے
بعد نیست و نابود ہوگئے۔ دنیا میں توحید خداوندی کا علم بلند ہوا اور ان کی روحانیت
اور اخلاقِ حسنہ کی برکت سے کفر و شرک کی تاریکیوں کے تمام پردے چاک ہوگئے۔ اور
سینکڑوں برس کے بھٹکے ہوئے غلاموں کو اپنے حقیقی مالک اور محسن آقا کے سامنے
سر جھکانا نصیب ہوا اور صدیوں کے بھولے ہوئے مفید اسباق ان کے قلوب و اذہان
میں تازہ ہوگئے اور ان کے مُردہ دلوں کی اُجڑی ہوئی بستیوں میں وُہ
آتشِ شوق بھڑک گئی جس نے کفر و شرک کی دنیا کو جلاکر آن کی آن میں خاک سیاہ
کر دیا۔ اخوّت و ہمدردی کا وہ پائیدار رشتہ جو حرفِ غلط کی طرح دُنیا سے
مٹ چکا تھا۔ ان کی پیہم سعی اور کوشش سے پھر اُستوار ہوگیا۔ دشمن دوست
بنے اور بیگانوں میں یگانگت نے راہ پائی۔ بے راہوں نے سیدھی راہ دیکھی اور مضطرب
حال اور بے چینوں کو چین نصیب ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے پیغمبر اور اس کے
رسول اپنی دنیا کے ہادی اور وقت کے رہنما خاص قوموں اور خاص ملکوں کے
لیے نذیر و بشیر بن کر آتے رہے اور اپنی رسالت کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے۔ اور

محدود حلقوں میں خدا تعالیٰ کا پیغام سُناکر رسالت اور نبوّت کا حق ادا کرتے رہے اور
یہ تمام کواکب نبوّت اپنے اپنے زمانہ میں وحی الٰہی کی آغوش میں تربیت پاکر دُنیا
کو روشن اور درخشاں بناتے اور اپنی اپنی قوم کو راہِ ہدایت پر لانے کی جدوجہد کرتے
رہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام بیک وقت رشد و ہدایت اور تعلیم و
تربیت کے شاہد بھی تھے اور فوز و فلاح کی بشارت سنانے والے مبشّر بھی۔ گمراہوں
اور غافلوں کو بیدار کرنے والے نذیر بھی تھے اور بھٹکے ہوؤں کو خدا تعالیٰ کی طرف
پکارنے والے داعی بھی۔

نبی آخر الزّمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سب سے بڑا اور عظیم الشان طوفان برپا ہوا جس نے تمام
روئے زمین کا احاطہ کرلیا اور تمام جہان پر چھا گیا۔ سطحِ ارضی کا چپّہ چپّہ خدائے واحد
اور مالکِ حقیقی کو فراموش کرکے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں معبودانِ باطلہ کی عبادت
میں مصروف و منہمک ہوگیا اور دنیا میں بسنے والی مخلوق نورِ نبوّت اور فیضانِ رسالت
سے یکسر محروم ہوچکی۔ شرک، کفر، جہالت اور ضلالت کے سیاہ اور گھنگھور بادل تہ بہ
تہ جمع ہوتے اور کفر و شرک، جہل و ضلالت، ظلم و جور کی نامبارک اور منحوس بارش
برساجاتے جس سے تمام سرزمین شرک و جہالت کی ظلمت سے تیرہ و تار ہوچکی اور نسلِ
انسانی اپنے ہادیوں، رہبروں اور پیغمبروں کی صحیح تعلیمات کو فراموش کرکے انتہائی
رذالت، وجہالت کے قعرِ مذلّت میں گر چکی اور ہر قسم کے شریفانہ اخلاق سے معرّا

ہو چکی۔ غرضیکہ دُنیا کے کسی مُلک اور کسی خطّہ میں انسانی نسل اپنی انسانیت اور شرافت پہ قائم نظر نہیں آتی تھی اور تمام بحر و بر اخلاق و روحانیت سے محروم ہو کر بگڑ چکے تھے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (پ ۲۱ الرّوم ۵۰)

ظاہر ہو چکا ہے فساد خشکی اور دریا میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے۔

مگر ان تمام بدتمیزیوں اور جہالتوں کا مرکزی نقطہ اور تاریکیوں اور ظلمتوں کا مرجع و منبع مُلکِ عرب تھا جہاں کفر و شرک کا دَور دَورہ اور بد اخلاقی کا زور تھا۔ حرامکاری اور قمار بازی کا طوفان اور بے حیائی و خونریزی کا ہیجان تھا۔ انسان کی گردن جسے فطری طور پر خالقِ کائنات نے سربلندی عطا فرمائی تھی۔ وہ ان کے اپنے خیالی اور خود تراشیدہ معبودوں کے سامنے سجدہ ریز تھی۔ اگر اس وقت اخلاق و مکارم کی دُنیا میں شرم و حیا ایک طرف سر جھکائے کھڑی تھی تو امانت و دیانت دوسری طرف مُنہ چھپائے پڑی تھی۔ بدکاری اور حیاسوزی کی کوئی قبیح حرکت ایسی نہ تھی جسے اُس زمانۂ شر و فساد میں اجازت و اباحت کی سند نہ مل چکی ہو۔ شقاوتِ قلبی اور بدمستی کی کوئی لغزش ایسی نہ تھی جس پر کوئی ادنیٰ سی پابندی بھی باقی رہ گئی ہو۔ قصورِ شاہی اور مجالسِ اُمراء کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ تقدس و عقیدت کے مذہبی اور دینی مراکز و محافل تک حیاسوز اور رسوا کن فواحش و منکرات کے اڈے بن چکے تھے۔ انصاف اور عدل کی مجلسیں ناخوش تخلیق اور علم و عرفان کی شمعیں بُجھ چکی تھیں۔ وحشت اور بربریت کی تاریکیاں ہر طرف بزمِ انسانیت پر مستولی اور غالب تھیں۔ عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات، معاشرتی و معاشی، عائلی و تمدّنی غرضیکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو اور شعبہ ایسا نہ تھا جس پر غیر فطری اور غیر انسانی اخلاق غلبہ نہ پا چکے ہوں۔ فسق و فجور، قتل و غارتگری، رہزنی و سفاکی، شراب خوری

و فحش گوئی، قساوتِ قلبی اور عریاں نگاری، کذب و غرور، ناانصافی و خود غرضی، بدعہدی و بدگمانی، قطع رحمی و نفاق وغیرہ وغیرہ بُرے عقائد و اعمال اور قبیح اخلاق و معاملات، ان کی بداخلاقی کے آئینہ دار تھے، اور ان معائب اور رذائل نے کچھ ایسی ہمہ گیر صورت اور حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ وہ لوگ ان پہ نادم و شرمسار ہونے کے بجائے اُلٹے فاخر و نازاں تھے۔ گمراہی اور ضلالت ہر طرف اور ہر کیفیت سے اُن پہ چھا گئی تھی۔ آخر اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد بلا وجہ تو نہیں ہے کہ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○

اُس وقت دنیا کی اس بگڑی ہوئی حالت کو تبدیل کرنے کے لیے رحمتِ حق تعالےٰ حرکت میں آئی۔ سرزمینِ حجاز کی خفتہ قسمت جاگی۔ مکّہ کی برہنہ چٹانوں اور بے آب و گیاہ وادیوں پہ پروردگارِ عالم کی ساری رحمتوں کے دروازے کُھل گئے۔ بلدِ امین کی گلیوں کے ذرّات کا طالعِ خفتہ بیدار ہوا۔ جس مقدس ہستی کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السّلام) نے اپنے رب کے حضور رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ کے الفاظ سے دستِ دعا اور دامنِ سوال پھیلا کر مانگا تھا اور جس برگزیدہ ذات کی آمد کی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے طورِ سینین پہ بنی اسرائیل کو دی تھی اور جس مبارک وجود کے آنے کی بشارت حضرت مسیح علیہ السلام نے کوہِ زیتون پر اپنے مخلص حواریوں کو سنائی تھی اور جس باعظمت شخصیت کے انتظار میں زمانہ نے ہزاروں برس صرف کر دیے اور لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں اور جس افضل ترین مخلوقات کی خوشی میں شمس و قمر اور سیارات نے بے شمار اور اَن گنت چکر کاٹے تھے اور لیل و نہار کے انقلاب نے ہزاروں مرتبہ موسمِ ربیع و خزاں کو بدلتے دیکھا تھا، بالآخر خالقِ ارض و سماء نے اس دعائے خلیل و تمنائے کلیم اور نویدِ مسیحا کو آفتابِ ہدایت بنا کر

ملک عرب میں پہلوئے آمنہ سے پیدا اور غار حرا سے طالع اور ہویدا کیا ہے

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا   دعائے خلیل اور نوید مسیحا[1]

اُس سراج منیر نے مبعوث ہو کر دنیا کی تاریکی کو دور اور بقعۂ ارضی کو پرنور بنا دیا۔ بنی نوع انسان کی ضائع شدہ شرافت پھر واپس آئی اور اولادِ آدم نے اپنی فطری حریت اور آزادی کا صحیح مقام پہچان لیا۔ ہر طرف سے خوشیوں کے چشمے ابلنے لگے۔ آفتاب مہتاب نے قہقہہ لگایا، چاند مسکرایا، کہکشاں نے تبسم کیا، ستارے مسرور ہوئے اور آسمان سے وحی کی بارش برسی اور اُس وقت معصوم فرشتوں کو اِنّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا سربستہ راز اور بھید کما حقہ سمجھ میں آیا۔ زمین و زمان میں مبارکباد اور خوش آمدید کی پرکیف صدائیں بلند ہوئیں، طائرانِ چمن نے وجد و حال کی مخمور کیفیت میں سرمست ہو کر نغمہ سرائی کی ننھے ننھے پروانوں نے خوشی میں آکر رقص کرتے ہوئے آتشِ سوزاں میں کود کر خالقِ کائنات کی بارگاہ میں جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کیا۔ اور عالم کے ذرے ذرے نے زبانِ حال سے مرحبا کہتے ہوئے صلوٰۃ و سلام کا تحفہ بھیجا۔ ارحم الراحمین کا سحابِ کرم زندہ امیدوں اور درخشندہ تمناؤں کی ہزار خوشیاں اپنے مبارک پہلو میں لئے ربیع الاول کے بابرکت مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم جھوم کر آیا اور مکہ مکرمہ کی پاک اور مقدس وادیوں میں خوب کھل کھلا کر برسا۔ جس سے انسانیت و شرافت اور دیانت و امانت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں کفر کا غرور ٹوٹ گیا، جاہلیت کی باطل اقدار سرنگوں ہوئیں اور اسلام کا پرچم عظمت سربلند ہوا اور کیوں نہ ہوتا ؎

نفس نفس پہ مغفرت، قدم قدم پہ برکتیں
جدھر جدھر کہ وہ شفیع عاصیاں گذر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

اور یکایک وہ وقت آپہنچا کہ ایران کے آتشکدوں کی شعلہ زن آگ ٹھنڈی پڑ گئی دنیا کے صنم کدوں کے بت پاش پاش ہوگئے۔ احبار و رہبان کی باطل معبودیت کا بوجھل طوق، قیصر و کسریٰ کے ظلم و استبداد کی مضبوط اور گراں بار زنجیریں۔ بدشگونی اور وہم پرستی کی حیا سوز بندشیں، قتل و غارت اور دختر کشی کی ظالمانہ رسمیں، شراب نوشی اور فخر بالآباء کی بے جا حرکتیں، قومیت اور وطنیت کی غیر فطری حد بندیاں سب ایک ایک کر کے ٹوٹتی چلی گئیں۔ کیونکہ رہبر کامل ہادیٔ برحق، خدائے واحد کا منادی، توحید خالص کا داعی، امن و سلامتی کا پیغامبر، یتیموں اور بیواؤں کا سہارا، بے کسوں اور ضعیفوں کا ماویٰ، غلاموں اور لونڈیوں کا ہمدرد اور عالم انسانیت کو اُس کا مسلوب حق واپس دلانے والا محسن مبعوث ہو چکا جس کی آمد سے تمام دنیا سے طاغوتی قوتوں اور اور ابلیسانہ طاقتوں کی کشش و جاذبیت کے فرعونی تخت الٹ گئے، اور ادیانِ باطلہ کی نبضیں چھوٹ گئیں۔ وہ آنے والا آگیا جو پیکر جلال و جمال کا حسین ترین مجموعہ اور باغبانِ ازل کے سرسبز و شاداب چمنستان کا خوشنما پھول اور روحانیت و اخلاق کا خوش آئند گلدستہ ہے یہ بزرگ ترین ہستی قصر نبوت کی آخری اینٹ اور اُس کاروانِ رشد و ہدایت کی آخری کڑی تھی جو کبھی جودی کی بلند چوٹیوں پر ٹھہرا اور کبھی ملک شام کے سبزہ زاروں میں رکا۔ کبھی بابل و عراق کے ریگستانوں اور نخلستانوں کو طے کیا اور کبھی نیل کی وادیوں میں گھوما، کبھی سینا کی

پہاڑیوں سے گزرا اور کبھی یروشلم کے میدانوں میں اُترا کبھی سبا اور مدین میں وارد ہوا اور کبھی وادیِ غیر ذی زرع میں نازل ہوا اور پھر آخر میں بطحاء کے وسیع صحراؤں میں فروکش ہوا۔ کیا خوش نصیب ہے وہ اُمّت اور کیا نیک بخت اور سعادت مند ہے وہ قوم جس کی قسمت میں اس مبارک گروہ کی آخری کڑی اور گراں مایہ موتیوں کا دُرِّ یتیم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ رحمۃٌ للعالمین خاتم النّبیّین اور رحمت مہداۃ جیسی بزرگ ہستی حصّہ میں آئی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) جس خوش بخت قوم کو یہ مبارک دولت اور بے پایاں نعمت مل گئی اُس کو قدرت کی سب عنایات مل گئیں۔ اس کو اس نعمتِ عظمےٰ اور دولتِ گرانمایہ کے بعد کسی اور نعمت و دولت کی کیا حاجت ہے! سے

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

احسانِ عظیم

اگرچہ مومنوں پر اللہ تعالےٰ کے لاکھوں اور کروڑوں انعامات و احسانات ہوئے ہیں جن کا احصاء و شمار بھی حیطۂ امکان سے باہر ہے چہ جائیکہ اُن کا شکریہ ادا کیا جا سکے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ مگر جس اُمّت کو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جیسی جلیل المرتبت اور عظیم الشّان ہستی مرحمت فرمائی ہے اس پر تو بے حد اور بڑا ہی احسان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○
(پ۴۔ آل عمران۔۱۶۴)

بے شک اللہ تعالےٰ نے مومنوں پر احسان کیا جو بھیجا اُن میں رسول انہی میں سے پڑھتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب و سُنّت اور اگرچہ وہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس سے صاف طور پر یہ امر واضح ہوگیا کہ مومنوں پر اللہ تعالےٰ کا بے حد احسان ہوا ہے۔ کیونکہ اُس نے اُنہی کی جنس اور اُنہی کی نوع کا ایک بشر، آدمی اور انسان رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا، بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم کے انوار و برکات کا استفادہ کرنا آسان ہے۔ ان کے احوال، اخلاق، سوانح زندگی امانت و دیانت، خدا ترسی اور پاک بازی سے وہ خوب اور اچھی طرح واقف تھے، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ رسول اور نبی سے انسانوں کا استفادہ اور اکتسابِ فیض جبھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی انسان اور بشر ہو۔ کیونکہ اصلاح کے لیے صرف علم ہی کافی نہیں بلکہ احساس کی بھی ضرورت ہے۔ پس جو غم نہیں کھا سکتا وہ غمزدہ اور دلگیر کی پوری تسلّی بھی نہیں کر سکتا اور جو بھوک و پیاس کی تکلیف سے آزاد اور بے شعور ہو وہ بھوکے اور پیاسے کے ساتھ صحیح دلسوزی اور صبر کی تلقین کرنا بھی نہیں جانتا جو میدانِ کارزار میں دشمن کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے زخم نہیں کھاتا وہ شہادت فی سبیل اللہ اور تبلیغ دین کے سلسلے میں زخمی ہونے کی ترغیب بھی نہیں دے سکتا۔ جو خود اپنے کسی لختِ جگر اور نورِ نظر کے فراق کا صدمہ نہیں اٹھاتا وہ ایسے ہی موقع پر

کسی کی تعزیت اور تسکین بھی نہیں کر سکتا۔ جو خود اپنی بیویوں کے گھریلو معاملات، ضروریات اور مطالبات سے ناواقف ہو، وہ دوسروں کو اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا سبق بھی نہیں سکھلا سکتا اور جو خود درد و کرب، بخار اور بدنی آلام میں مبتلا نہیں ہوتا وہ ایسے مصائب اور تکالیف میں دوسروں کے لیے صبر و ہمت کی ڈھارس بھی نہیں بن سکتا۔ غرضیکہ جو شخصیت فطرتِ انسانی کی خامیوں اور کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان میں ان کی اصلاح اور مناسب موقع پر اغماض بھی نہیں کر سکتی۔ اسی لیے ربِّ ذوالمنن نے جابجا قرآن کریم میں بعثت انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ اُن کا بشر، آدمی اور انسان ہونا ایک مستقل انعام و احسان قرار دیا ہے اور لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ کی آیت تو اس کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ کفّار اور مشرکین کو اس پر بہت حیرت ہوتی تھی کہ انہی کی طرح کھانے پینے، چلنے پھرنے اور بازاروں میں گھومنے والا نبی اور رسول ہو اور اس سے ان کی ہدایت، رُشد اور رہنمائی کا سلسلہ وابستہ ہو۔ اللہ تعالٰے نے اس باطل اور بے بنیاد نظریہ کی پُرزور تردید فرمائی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے بشر، انسان اور آدمی ہونے کی حکمت، مصلحت اور فلسفہ بتایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○	اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) آپ کہہ دیجئے اگر ہوتے زمین پر فرشتے چلتے پھرتے بستے تو ہم ضرور اُتار دیتے ان پر آسمان سے فرشتہ رسول۔
(پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ۔ ۱۱)	

یعنی اگر زمین کی خلافت اور آبادی فرشتوں اور نوری مخلوق کے سپرد ہوتی تو حکمت کا تقاضا یہ ہوتا کہ ان کی اصلاح و ہدایت کے لیے آسمان سے انہی کی نوع سے نوری مخلوق

رسول ہو کر آتی۔ مگر زمین کی خلافت اور اس کی آبادی تو حضرت آدم (علیہ السّلام) اور ان کی نسل کے سپرد ہے۔ اس لیے حکمتِ الٰہی اس کی مقتضی ہے کہ انہی کی نوع سے بشر اور آدمی ان کی روحانی تربیت اور رہنمائی کے لیے بھیجے جاتے کیونکہ غیر نوع سے استفادہ کرنا اور فیضِ صحبت اٹھانا یقیناً متعذّر ہے اور نوری مخلوق کسی صورت اور کسی فعل میں انسان کے لیے اُسوہ اور نمونہ نہیں بن سکتی۔ اور یہ امر بالکل واضح ہے۔

کفارِ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ازراہِ تعنّت و عناد چند فرمائشی نشانات اور معجزات طلب کیے تھے۔ اس کا فیصلہ کُن جواب اللہ تعالٰے نے یوں ارشاد فرمایا کہ۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ۱۰۰)	اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) آپ کہہ دیجیے کہ پاک ہے میرا رب، نہیں ہوں میں مگر بشر رسول

اِس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ خدا تعالٰے کے کارخانہ میں تصرّف کرنا حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے اختیار اور بس میں نہیں ہے اور اُن کو مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں ہے اور نہ زمین و آسمان میں اُن کو خدائی تصرّف کا حق ہے اور نہ خدائی طاقتیں اور اختیارات ان کو حاصل ہیں اور نہ تو وہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے اور نہ اُس کی جزو اور نہ وہ اس کے رشتہ دار ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر حیثیت سے وحدہٗ لاشریک لہٗ اور مخلوقات کی تمام صفات اور لوازمات سے مبّرا اور منزّہ ہے اور ہر قسم کے عجز اور نقص سے پاک ہے۔

بے شک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر بے شمار معجزات صادر ہوتے رہے ہیں جو بالکل ایک قطعی حقیقت ہے اور ان کا انکار اور تاویل خالص الحاد، بے دینی اور زندقہ ہے۔ مگر اصول قطعیہ اور نصوص متواترہ سے یہ بات بھی مبرہن ہو چکی ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی اور رسول کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔

اس کی مفصل بحث راقم کی کتاب "راہ ہدایت" اور "ضوء السراج" میں ملاحظہ کریں۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۔ (الآیۃ۔ (پ۱۶۔ کہف ۱۲۰)

کہہ دیجئے کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں ہاں میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔

اس میں یہ امر آشکارا کر دیا گیا ہے کہ بے شک ہیں تو وہ بشر اور انسان ہی اور تمام بشری تقاضوں اور لوازمات میں وہ عام انسانوں کی طرح ہیں مگر انبیاء اپنے کمالات و درجات، اپنے فضائل و مراتب، اپنے خصائل و اخلاق اور اپنے شمائل و مکارم کے اعتبار سے تمام انسانوں سے، فوق سب فرشتوں سے اعلیٰ اور ساری کائنات سے افضل ہیں اور خاص کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شان یہ ہے کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہ خدا تعالیٰ سے مکالمہ کرتے ہیں، اُن پر خدا تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ معصوم ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں اس لیے ان کی عزت، و تعظیم اور اُن کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر فرض ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے خاص سچے اور مطیع بندے ہوتے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے رسالت اور پیغمبری کے بلند و بالا منصب پر سرفراز کیا ہوتا ہے۔ لیکن وہ باایں عزّ و شان اس کے عابد اور اس کے بندے ہوتے ہیں، اور خدائے ناصر و معین کے دربارِ عالی ہی میں دست بدعا ہوتے ہیں جس کی نصرت و تائید کے بغیر زندگی کے کسی گوشہ میں کامیابی و کامرانی نصیب نہیں ہو سکتی اور جس کی عاجز نوازیاں بے کسوں کا آخری سہارا اور بے نواؤں کا انتہائی ماویٰ و ملجا بنتی ہیں اور ان حضرات کے نیک آثار کو دُنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔ کیونکہ ؎

نشان اس کا زمانہ مٹا نہیں سکتا — قدم قدم پہ جو نقشِ وفا بنا کے چلے

بشارتِ احمدی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تورات و انجیل میں واضح بشارتیں اور تشریف آوری کی خبریں موجود ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ الآیۃ

یعنی مومن وہ ہیں جو پیروی کرتے ہیں رسول نبی اُمّی کی جس کو وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں۔

(پ۹۔ الاعراف۔ ۱۹)

قرآن پاک کا یہ قطعی مضمون اس کی واضح ترین دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک تورات اور انجیل میں یہود و نصاریٰ کے ہاں لکھا ہوا تھا اور یہ چیز ان کے نزدیک ایک مسلّمہ حقیقت تھی۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو خوشخبری دی تھی، وہ اس سے بھی زیادہ روشن ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی یہ ہے کہ:۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور جب عیسٰی ابن مریم (علیہما السلام) نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہو کر آیا ہوں، تصدیق کرتا ہوں تورات

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پ۲۸ - الصّف - ۱)

کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی اور اپنے بعد ایک رسول کی بشارت سناتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔ (صلے اللہ علیہ وسلّم)

اس سے بالکل آشکارا ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم (علیہما السّلام) نے جو صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے، اپنی قوم کا نام لے کر اس کو یہ بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک اور صرف ایک نبی دنیا میں تشریف لائے گا جس کا نامِ مبارک احمد ہوگا۔ (صلی اللہ علیہ وسلّم)

سابق آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں پادری صاحبان کی کرشمہ سازیوں سے جو جو تحریفات والحاقات، اور ترامیم واضافات ہوئے، وہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، اور انصاف کی دنیا میں اس کی تردید امرِ محال ہے۔ ہم نے اس کی کچھ با دلائل بحث اپنی کتاب "عیسائیت کا پس منظر" میں کر دی ہے۔ لیکن بایں ہمہ تحریفات آج بھی تورات و انجیل وغیرہ میں بشارات کا ایک غیر مبہم حصّہ موجود ہے۔ چند حوالے ہم عرض کرتے ہیں:۔

صاحبِ تورات کی بشارت

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :۔

" خداوند تمہارا خدا تمہارے لیے تمہارے ہی بیچ سے یعنی تمہارے ہی بھائیوں (اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام) میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اُس کی

سُننا " (تورات استثنار۔ باب ۱۸ - آیت ۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں سے ایک نبی کا برپا ہونا ضروری تھا اور تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں بجز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے اور کوئی نبی برپا اور مبعوث نہیں ہوا اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ نبی بنی اسحاق میں سے نہ ہوگا بلکہ بنی اسماعیلؑ سے ہوگا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی مانند مستقل شریعت، کتاب والا، صاحبِ جہاد، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت کرنے والا اور متعدد ازواج مطہرات کا شوہر ہوگا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس کی تاکید فرما گئے ہیں کہ تم اس کی سُننا اور اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔ اور خود ربّ ذوالجلال نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :۔

" میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں (اسمٰعیلیوں) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی اُن سے کہے گا " (استثناء باب ۱۸ - آیت ۱۹)

وہ نبی برحق جب تشریف لائے تو اُن کی صفت اور خوبی ربّ تعالےٰ نے یہ بیان فرمائی کہ۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (پ۲۷ - النجم - ۱)

یعنی وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ جو وحی ہوتی ہے وہ اُس کے مطابق بولتا ہے

اور جو حکم اللہ تعالےٰ نے آپ کو دیا وہی بلا کم و کاست آپؐ نے پہنچایا۔

انجیل کی شہادت

آج کی محرّف انجیل میں بھی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کی خوشخبریاں موجود ہیں جن کی تحریفِ معنوی

کے لیے پادری صاحبان ہروقت کمربستہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام نے جو بشارات دی ہیں۔ ہم بطورِ نمونہ مُشتے از خروارے چند عرض کرتے ہیں:۔

① "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"۔ (انجیل یوحنّا باب ۱۴۔ آیت ۱۶)

اِس سے معلوم ہوا کہ اس آنے والے مددگار (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم) کی شریعت ابدی ہوگی اور اس کو کوئی نسخ نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ وہ جامع تر اور تمام اقوامِ عالَم کے لیے موزوں ہوگی۔

② "لیکن مددگار یعنی رُوح القدُس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا"۔

(انجیل یوحنّا۔ باب ۱۴۔ آیت ۲۶)

یعنی جیسے مَیں نبی ہوں اسی طرح وہ بھی نبی ہوگا اور نبی اور رسول ہی کے نام اور وصف سے اُس کو خدا (باپ) بھیجے گا۔ نہ تو وہ خدا ہوگا۔ نہ خدا کا بیٹا اور نہ خدا کی جزو۔ یہ یاد رہے کہ یہاں باپ کا لفظ محض مجاز اور تشفق کے طور پر استعمال ہوا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ "عیسائیت کا پسِ منظر" میں ہم نے اس کی کچھ بحث کر دی ہے۔

③ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں"۔ (انجیل یوحنّا۔ باب ۱۴۔ آیت ۳۰)

یعنی مَیں تو صرف بنی اسرائیل کا رسول ہوں اور صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ مگر وہ آنے والا دُنیا کا سردار ہوگا اور جو کمالات اور درجات اُن کو حاصل ہوں گے وہ مجھے حاصل نہیں ہیں کیونکہ مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔

یہ یاد رہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام نے لفظ "احمد" کے ساتھ بشارت دی تھی جس کا ترجمہ یونانی زبان میں پیرکلوطوس تھا۔ جس کا عبرانی میں ترجمہ فارقلیط سے کیا گیا تھا اور اب اس کا ترجمہ اناجیل کے کرمفرما مترجمین نے اپنی خود پسند اور من بھاتی رائے سے مددگار۔ وکیل، شفیع۔ بزرگ۔ روح القدس اور روحِ حق قرار دیا ہے۔ جو باوجود تحریف کے ان کے لیے چنداں مفید نہیں ہے۔

بعض دریدہ دہن پادریوں نے جن میں خصوصیت سے پادری گولڈسیک قابلِ ذکر ہیں، دنیا کے سردار کا معنی شیطان کیا ہے (معاذ اللہ) مگر یہ تاویل اتنی بیہودہ اور لایعنی ہے کہ کوئی عقلمند اس کو سُننے کے لیے تیار نہیں اور چکئی وجوہ سے باطل ہے۔

اوّلاً کیا شیطان حضرت عیسٰے علیہ السلام سے پہلے نہ تھا جس کے بارے میں اُنہوں نے یہ فرمایا کہ میں جاؤں گا تو وہ آئے گا۔ جیسا کہ آگے اس کا حوالہ آرہا ہے۔

② شیطان کا آنا کون سی بشارت ہے جس کے بارے میں حضرت عیسٰے علیہ السّلام اپنے مخلص حواریوں کو خوشخبری سُنانے پر مجبور تھے؟

③ اور کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے رب (باپ) سے درخواست کر کے شیطان کو بھجوایا تھا؟ شیطان کونسی نعمتِ غیر مترقبہ تھی جس کے لیے انہوں نے درخواست کی؟

④ اور کیا عیسائی شیطانِ لعین کو اپنا مددگار سمجھتے ہیں؟ اگر سچ مچ شیطان ان کا مددگار ہے تو ان کا مخالف اور دشمن کون ہے؟

⑤ اور کیا شیطان کو اللہ تعالٰے نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نام پر بھیجا تھا۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔

(۶) اور کیا شیطان وہ باتیں لوگوں کو (اور خصوصاً بنی اسرائیل کو) سکھاتا رہا جو حضرت عیسےٰ علیہ السّلام ان کو سکھاتے رہے۔ وہ تو صاف فرماتے ہیں کہ وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ مَیں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔

(۷) اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے یہ فرمایا کہ ابلیس لعین بھی باکمال اور صاحب فضائل اور دنیا کا سردار ہے؟ جو جو کمالات اس میں ہیں وہ مجھے حاصل نہیں ہیں۔ مجھ میں اس کا کچھ نہیں ہے۔ کیا پادری صاحبان کے نزدیک شیطان واقعی صاحبِ فضائل ہے؟ اور فضائل بھی ایسے جو حضرت یسوع مسیح کو حاصل نہیں۔

(۸) کیا عیسائیوں کے نزدیک حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے شیطان کے آنے کو فائدہ مند کہا ہے۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ "لیکن مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا" (یوحنّا باب ۱۶۔ آیت ۷)

(۹) اور کیا عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے شیطان کو سچائی کی رُوح کہا ہے؟ اور کیا حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان تمہیں تمام سچائی کی راہ دکھائے گا؟ اور کیا حضرت یسوعؑ نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان اپنی طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو سُنے گا وہ کہے گا؟ اور کیا شیطان آئندہ کی خبریں دے گا؟ اور کیا شیطان حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا جلال ظاہر کرے گا؟ (معاذ اللہ) وہ تو صریح الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ

کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دیگا" (یوحنّا باب ۱۶۔ آیت ۱۳، ۱۴، ۱۵)

الغرض پادری صاحبان کی جملہ رکیک تأویلات و تحریفات کو انجیل مقدس کا ایک ایک جُملہ اور ایک ایک آیت ایسا رُد کرتی اور ان کے ایسے بخیئے اُدھیڑتی ہے کہ ساری دُنیا کے پادری بشمولیت پاپائے روم اس کو رفو نہ کر سکیں۔

(۴) اور اس سے بڑھ کر انجیل برناباس میں صریح الفاظ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کی بشارت موجود ہے۔ اور غالباً اسی صریح بشارت کو دیکھ اور پڑھ کر بعض پادری صاحبان نے بوکھلاہٹ کے عالم میں بدحواس اور لاجواب ہو کر سرے سے انجیل برناباس کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے مگر ان کے انکار سے کیا بنتا ہے؟ کیا ثابت شدہ حقیقت بھی کسی کے انکار سے معدوم ہو سکتی ہے؟ اور انصاف کی دنیا میں ایسے مطلب کے انکار کو کون سُنتا ہے:۔

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"پس جب کہ آدمیوں نے مجھ کو اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا تھا مگر یہ کہ مَیں خود دُنیا میں بے گناہ تھا اس لیے اللہ نے ارادہ کیا کہ اس دُنیا میں آدمی یہودا کی موت سے مجھ سے ٹھٹھا کریں یہ خیال کر کے کہ وہ میں ہی ہوں جو کہ صلیب پر مرا ہوں تاکہ قیامت کے دن ہیں شیطان مجھ سے ٹھٹھا نہ کریں۔ اور یہ بدنامی اس وقت تک باقی رہے گی جب کہ محمد رسول اللہ آئے گا جو کہ آتے ہی اس فریب کو لوگوں پر کھول دے گا جو کہ اللہ کی شریعت پر ایمان لائیں گے۔ (انجیل برناباس فصل ۲۲۰)

آیت ۱۹۔۲۰)۔

انجیل برنباس کے اس حوالہ کا ذکر پادری سیل صاحب نے بھی کیا ہے۔ (دیکھئے مقدمہ ترجمۂ قرآن مترجمہ پادری سیل صاحب مطبوعہ ۱۸۵۰ء)

تورات و انجیل کی ان روشن بشارات کے بعد بھی اگر عیسائی جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت اور رسالت کو تسلیم کرنے میں تأمل کرتے ہیں تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ انتہائی ہٹ دھرم اور حق ناشناس ہیں جس کا علاج اس جہان میں تو عادتاً ممکن نہیں، ہاں مرنے کے بعد ضرور آنکھیں کھُلیں گی اور وہاں ان پر منکشف ہوگا کہ انکارِ حق اور جحود کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اور حق کا تعاون کرنا اور ساتھ دینا کس قدر رضائے الٰہی کا حامل اور ابدی خوشیوں پر منتج ہوتا ہے۔

بالآخر خداوند کریم کا وہ مظہر جمال و جلال سینا اور سعیر سے طلوع ہوتا ہوا کوہ فاران سے آتشیں شریعت لے کر جلوہ افروز ہوا اور اس نے بھٹکی ہوئی دُنیا کی رہنمائی کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النّبیّین کا اعلےٰ اور اکمل خطاب پایا جنہوں نے دُنیا میں وہ انقلابِ حق برپا کیا جس کی نظیر ملنا محال ہے جس سے عرب و عجم اور یورپ و ایشیا متمتع ہوئے اور حق و باطل کو یوں متمیز کر دیا کہ اب اس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش ہی نہیں مگر پرکھنے والی نگاہ درکار ہے ؎

حقیقت بے نقاب، زندگی سے رونما ہوگی
نظر کی قوتوں کو امتیازِ حق و باطل دے

رحمۃ مہداۃ } جس دُنیا کے سردار۔ رُوحِ حق، رحمتِ مُہداۃ اور اشرف کائنات کی بشارت اور خوشخبری حضرت موسیٰ اور حضرت عیسٰی علیہما السّلام

نے دی تھی۔ جب وہ تشریف لائے تو ربِّ ذوالمنن نے اپنے پاک کلام میں انہیں رحمۃ للعالمین کے مبارک القاب سے پیش کیا۔ اور پیش محض اس لیے کیا ہے تاکہ آنے والے انسانوں کو بتا دیا جائے کہ جو شخص انسانیت کے شرفِ اعلیٰ کے مقامِ بلند پر فائز ہونا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خصائص و شمائل اخلاق و عادات کو امام الانبیا اور سیّد الرسل کے اسوۂ حسنہ اور اعلےٰ معیار پر پرکھ کر دیکھ لے کہ کہاں تک وہ شرفِ انسانیت کا حامل اور کس قدر روحانیت کا دلدادہ ہے۔ جس قدر کوئی شخص آپ کے اُسوۂ حَسَنہ اور عمدہ پیمانے پر پورا اُترے گا۔ اُسی قدر اس کی ایمانی کیفیت بڑھے گی، عملی طاقت نمایاں ہوگی، انفرادی صلاحیتیں نکھرتی اور اجتماعی زندگی سنورتی چلی جائے گی۔ کیونکہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی بے شک تمہارے لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔

اور یہ بالکل ایک واضح حقیقت ہے کہ جب انسان نبوّت و رسالت کی شاہراہ سے ہٹ جاتا ہے تو انسانیت کُش اور مُہلک جراثیم ہر طرف سے اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتے ہیں تو نہ اس میں ایمان و عمل اور اخلاق و روحانیت کی پختگی باقی رہتی ہے اور نہ اس کی بات اور وعدے کا یقین ہوتا ہے۔ نہ تو وہ خوفِ خدا اور للّہیت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور نہ اس کی خودی میں استقلال نظر آتا ہے۔ وہ ا[illegible] سے ادنیٰ لالچ و طمع پر بھی بڑی سے بڑی متاعِ انسانیت بلکہ رختِ ایمان کو قربان کرنے پر بلا تأمل آمادہ ہو جاتا ہے اور ذرا سا دُنیوی اور مادّی خوف بھی اس کی فانی زندگی کے ہر شعبہ پر عالمِ نزع اور سکراتِ موت طاری کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور وہ ہر بھلی پکار اور آواز کو اپنے خلاف سمجھتا ہے۔ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ غرضیکہ وہ صد[illegible]

مستقیم اور اُسوۂ حسنہ سے الگ ہو کر بد عقیدتی و بے عملی، بے حمیتی و بے غیرتی، کم ہمتی و پست فطرتی، تنگ نظری و بدعہدی، دروغ گوئی و بہانہ سازی، مکاری و عیاری، منافقت و تلوّن مزاجی، بدمزاجی و بداعتمادی، عیاشی اور تن آسانی کے عمیق اور پُرخطر گڑھے میں گر جاتا ہے۔ جس سے پند و موعظت سے متاثر ہو کر سینکڑوں چھلانگیں لگانا بھی اس کے لیے سُود مند نہیں ہوتا اور اس قعرِ مذلّت سے اس کا نکلنا اگر عادتاً محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ مگر ہاں جس کو ربِّ قدیر اس سے نکلنے کی توفیق مرحمت فرمائے تو اس کے لیے کچھ دشوار نہیں کیونکہ کلید کامیابی اور مفتاح کامرانی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے ؎

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اُس کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

ہر مسلمان کا یہ ایمانی اور اخلاقی فریضہ ہونا چاہیے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کا صحیح مطیع اور اس کی عظمت و کبریائی کا ہر وقت ایقان و اذعان کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہر قول و عمل میں آپؐ کی اتباع و فرمانبرداری کو اپنے گلے کا زرّین ہار بنائے تاکہ وہ اپنی خلقت کا مقصد سمجھ سکے اور اسی محور کے گرد اس کے علم و عمل کی قوّت گھومتی رہے اور وہ کامل یقین کرے کہ اس کے لیے ربِّ حقیقی کے دروازے کے بغیر تذلّل و انکسار کا کوئی اور مقام نہیں اور حضرت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے جادۂ مستقیم محکم آئین اور شریعت غرّا پر عمل کیے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ؎

شراب خوشگوارم ہست و یارِ مہرباں ساقی
ندارد ہیچ کس یارے چنیں یارے کہ من دارم

تلاوتِ کتاب اللہ

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

الآیۃ

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو فرائض بیان کیے ہیں ان میں ایک فریضہ تلاوتِ کتاب اللہ بھی ہے۔ چونکہ آپؐ کے اولین مخاطب اہلِ عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی، جو اپنے وقت میں فصاحت و بلاغت اور نطق و بیان کے امام سمجھے جاتے تھے، وہ محض قرآنِ پاک کی تلاوت ہی سے اس کا مطلب و مفہوم سمجھ لیتے تھے اور اس کی شیرینی اور ٹھوس دلائل سے لُطف اندوز اور متاثر ہوتے تھے۔ قرآنِ کریم کا طرزِ ادا، اُسلوبِ بیان اور ترغیب و ترہیب کا انداز اس قدر سادہ اور موثر ہے کہ اس سے جس طرح ایک بڑے سے بڑا فلسفی محظوظ ہوتا ہے اسی طرح اس کے دلکش بیان سے اونٹوں اور بکریوں کا چرواہا بھی اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور جیسے ایک ماہر فلسفی اور عالم اس کے اندازِ بیان پر دادِ تحسین دینے پر مجبور ہے اسی طرح ایک سادہ بدو بھی اس کے پند و موعظت اور رشد و ہدایت کے ہمہ گیر اصُول پر صدآفرین کہنے پر مجبور ہے۔ یہ قرآنِ کریم ہی تھا جس نے پہاڑ جیسے مضبوط دلوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان میں ایمان و اصلاح کا تخم بویا جس سے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کے شیریں ثمرات نمودار ہوئے۔ قرآنِ کریم وہ اعلیٰ و اکمل کتاب ہے جس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ عبارت انتہائی سلیس و فصیح، اسلوبِ بیان نہایت موثر و شگفتہ اور تعلیم

بے حد متوسط و معتدل ہے جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقلِ سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ اس میں افراط و تفریط کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔ اس کا ہر مضمون جچا تلا ہے۔

قرآنِ کریم کے ذریعہ سے جب وحی الٰہی کی بارش ہوتی ہے تو تسلیم کرنے والوں کے دلوں میں ایمان کا پودا اُگتا، بڑھتا، پھولتا اور پھلتا ہے اور اس کی بدولت رضائے الٰہی کے ثمرۂ شیریں سے لذّت اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ قرآن پاک کی اس شیریں مقالی سے گھبرا کر کفارِ قریش یہ منصوبہ باندھنے پر کمربستہ ہو گئے اور بالآخر اس پر عمل کر ہی دکھایا کہ:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ○ (پ۲۴۔ حٰم السجدۃ۔۴)	اور کہا کافروں نے نہ سنو اس قرآن کو اور اس کے سننے شور و غل مچا دو تاکہ تم غالب آجاؤ۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:۔ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ۔ (پ۷۔ الانعام۔۳) کہ وہ لوگوں کو قرآن پاک کے سننے سے منع کرتے ہیں اور خود دُور بھاگتے ہیں۔

اور صحیح روایات (مثلاً بخاری ج ۱ ص ۵۵۲ میں حضرت ابوبکرؓ پر پابندی کے واقعہ) سے یہ ثابت ہے کہ کفارِ مکّہ نے اہلِ اسلام پر یہ سنگین پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وہ بلند آواز سے قرآنِ کریم نہ پڑھیں کیونکہ ہماری عورتیں اور بچّے اس سے متأثر ہوتے ہیں اور ہمارے آبائی دین میں رخنہ پڑتا ہے اس سے بڑھ کر شکست کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے؟ اور اس سے یہ بھی بخوبی آشکارا ہو گیا کہ وہ لوگ بھی جو اپنی فصاحت و بلاغت

میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، قرآن کریم کے دلائلِ قاہرہ اور براہینِ ساطعہ سے کس قدر بدحواس ہو جاتے تھے اور قرآنِ مجید کی آیات کی معجزانہ ادا نے ان کے لیے کس قدر مشکلات پیدا کر دی تھیں:۔

بڑھ گیا رنج و الم زائد سے زائد اور بھی
ہو رہا ہے مضطرب بعد سکون دل اور بھی

تزکیۂ نفوس

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک اہم فریضہ اور منصب تزکیۂ نفوس بھی تھا یعنی کفر و شرک بدعت و معصیت، بداخلاقی اور بدکرداری اور ہر قسم کی نفسانی اور روحانی آلائشوں سے مخلوقِ خدا کو بہترین تعلیم، خداداد روحانیت اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ مانجھ کر صیقل بنانا اور رشد و ہدایت کا راستہ بتانا اور پوری دلجمعی اور دلسوزی کے ساتھ ان کو غضبِ الٰہی سے ڈرا کر تعلق مع اللہ جوڑنے کی تلقین کرنا جہنّم سے بچنے اور جنت کی دائمی راحتیں حاصل کرنے کا مؤثر سبق پیش کرنا حتّٰی کہ دنیا و آخرت کی تمام کامرانیاں اور شادمانیاں حاصل کرنے کی ترغیب دینا آپ کا ایک عمدہ کام تھا۔

تزکیۂ نفس کا یہ ارفع مقام قرآن و سنت کے عام مضامین پر عمل پیرا ہونے اور خصوصاً جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور فیض کی برکت سے حاصل ہوتا تھا۔ جس قدر جس کی قابلیت اور استعداد ہوتی تھی اور جس قدر کسی کا شیشۂ دل صاف ہوتا تھا اُسی قدر اُس میں معرفتِ الٰہی کا عکس اور نقش زُود منقش ہو جاتا تھا اور یہ بالکل ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو آپ کی مبارک صحبت میں دل کی جو صفائی

چند لمحوں میں حاصل ہوتی تھی، وہ بعد کو سالہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی کسی کو نصیب نہیں ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں سلف صالحین نے شرعی حدود میں رہ کر جو ریاضتیں اور مجاہدے اور ان کے طریقے اختیار کئے صحابۂ کرام رضؓ کو ضرورت اور حاجت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ابجد سے بھی شاید واقف نہ ہوں حضرت حنظلہ بن ربیع الاسیدیؓ (المتوفی بعد سنہ۴۰ھ) کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ کہ آپ کی مجلس میں آپ کے وعظ و نصیحت کی برکت سے جنّت اور دوزخ گویا اُن کو آنکھوں سے نظر آتی تھیں۔ مگر مجلس کے باہر اُن کے دلوں کی یہ کیفیت باقی نہ رہتی تھی۔ بعض صحابۂ کرامؓ کو اس وجہ سے منافق ہونے کا شبہ ہوا مگر آپ نے فرمایا کہ یہ نفاق نہیں ہے۔ (محصلہ ج ۱ مشکوٰۃ ص ۱۹۷ عن مسلم)

تعلیمِ کتاب

اگرچہ صحابۂ کرام رضؓ اہل زبان تھے اور اکثر و بیشتر مضامین کو وہ نفسِ تلاوت ہی سے سمجھ لیتے تھے مگر بعض اوقات خاص مواقع میں اس کی حاجت اور ضرورت بھی پیش آتی تھی کہ آپ قرآن کریم کی اصلی مراد اور صحیح مفہوم کو بیان اور متعین فرما کر اُن کے تردّد اور شبہات کا ازالہ فرمادیا کرتے تھے، اس کی متعدد مثالیں کتب حدیث اور تفسیر میں موجود ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ جن لوگوں نے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہ ملایا تو انہی لوگوں کو امن نصیب ہوگا اور وہی ہدایت یافتہ ہوں گے اس پر صحابۂ کرامؓ نے اس کے اصل مطلب اور مراد کو نہ سمجھتے ہوئے برائے تسلّی یہ اشکال پیش کیا کہ پھر تو ہماری خیر نہیں ایّنا لم یظلم۔ ہم میں ایسا کون ہے جس نے ظلم نہیں

کیا؟ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ ظلم سے وہ ظلم مراد نہیں جو تم سمجھ اور کہہ رہے ہو بلکہ اس مقام پر ظلم سے شرک مراد ہے جیسا کہ لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۰ (پ۲۱ لقمٰن ۲) بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو باوجود اہل لسان ہونے کے اور رمز شناس رسول ہونے کے جن کے دلوں کو آپ کے فیضِ صحبت سے خوب جِلا نصیب ہو چکا تھا، بسا اوقات اس کی ضرورت پیش آتی تھی کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم ان کو جناب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم سمجھاتے، تب ان کو وہ سمجھ میں آتا تھا اور آپ کے سمجھائے بغیر وہ اصل مطلب کے سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔ جب صحابۂ کرامؓ کو تعلیم اور تعلّم کتاب کی حاجت درپیش ہوتی تھی تو بعد کے لوگ کیونکر احادیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور صحابۂ کرام رضؓ اور سلف صالحین کی تعلیم کے بغیر قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھ سکتے ہیں؟ اور خصوصاً زمانۂ حال کے متفسّر کہ نہ تو زبانِ عربی، نہ ماحولِ اسلامی، نہ صورتیں اور شکلیں اسلامی اور نہ اخلاق و کردار اسلامی، محض قلم اور ادب کے زور سے مفسّر بن بیٹھنا اور یہ دعوےٰ کرنا کہ قرآنِ کریم کی صحیح ترجمانی اور عمدہ تفسیر بس ہم ہی کر سکتے ہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے جنون اور سودا کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور ایسے لوگوں نے خدا تعالےٰ کی مظلوم کتاب کی ایسی کھلی تحریف کا ارتکاب کیا اور مطلب و مراد کو ایسا بدلا اور مسخ کیا ہے کہ یہود کے بھی انہوں نے کان کتر ڈالے جو فنِ تحریف کے ماہر اور مشّاق تھے۔

نعوذ باللہ منہ ؎ نہ محمل ہے نہ محمل کا کوئی دیوانہ برسوں سے
الم اُجڑی ہوئی ہے منزل ویرانہ برسوں سے

الحکمت سے کیا مراد ہے؟

حکمت کے معنی دانائی، بصیرت، دین کی سمجھ اور ہر عمدہ کام کے آتے ہیں جس حکمت اور دانائی کی تعلیم جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے دی ہے اس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اور اس مقام پر حکمت سے مراد بتصریح مفسّرین کرام رح و ائمہ عظام رح سُنّت ہے۔ چنانچہ عمدۃ المفسّرین حافظ ابن کثیر رح (المتوفی ۷۷۴ھ) پہلے پارے کی تفسیر کرتے ہوئے الحکمۃ کا معنی اور تفسیر یوں نقل کرتے ہیں کہ:۔

الحکمۃ یعنی السنّۃ قالہ الحسنؒ وقتادۃ رح ومقاتل بن حیان رح وابو مالک رح وغیرھم (تفسیر ج۱ ص۱۸۴)

حکمت سے مراد سنت ہے جیسا کہ امام حسن بصریؒ قتادہ رح مقاتل بن حیان رح اور ابو مالک رح وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

اور امام اہل سُنّت ومقتدائے ملّت حضرت امام شافعی رح (المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ الحکمۃ السنّۃ (بحوالہ فتح الباری ج۱۳ ص۲۴۵) حکمت سے مراد سُنّت ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ رح (المتوفی ۷۵۱ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

والحکمۃ ھی السنّۃ باتفاق السّلف (کتاب الروح ص۹۲)

حکمت سے سلف صالحین کے اتفاق سے سنّت مراد ہے۔

جس طرح کتاب اللہ منزّل من اللہ ہے، اسی طرح حکمت، سنّت اور حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حرف متواتر اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور حدیثیں سب متواتر نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں حدیث قدسی کے سوا باقی احادیث کے الفاظ اور تعبیر جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اپنی ہے۔ (بشرطیکہ روایت بالمعنیٰ نہ ہو) اور ان الفاظ کے معانی مضامین اور احکام منزّل من اللہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ○ (پ۵۔ النساء۔ ۱۷)

اللہ تعالےٰ نے اُتاری تجھ پر کتاب و سنّت اور تجھ کو اُس نے وہ باتیں سکھلائیں جو تُو نہ جانتا تھا اور اللہ تعالےٰ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔

اس سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جس طرح کتاب اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی ہے اسی طرح حکمت اور سنّت بھی منزّل من اللہ ہے اور کتاب وسُنّت کے ذریعہ جو جامع شریعت۔ اور اکمل دین اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے، وہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل اور احسان ہوا ہے۔ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔

اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

اَلَا اِنّی اُوتیت القراٰن ومثلہ معہٗ الحدیث (ابوداؤد ج۲ ص۲۷۶ ومشکوٰۃ ج۱ ص۲۹)

خبردار مجھے قرآن کریم بھی دیا گیا ہے اور اُس کے ساتھ ہی اس کی مانند اور بھی عطا کیا گیا ہے

اور اسی مثلہٗ معہٗ کا نام الحکمت، سنت اور حدیث ہے، جس کو وحی خفی اور وحی غیر متلو سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ تابعی رح (المتوفی بعد ۱۲۰ھ) سے منقول ہے کہ:۔

کان جبرائیل ینزل علی النّبیؐ صلی اللہ علیہ وسلّم بالسنّۃ کما ینزل بالقراٰن

جس طرح حضرت جبرائیلؑ قرآن کریم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر لاتے تھے، اسی طرح سنت

(دارمی ص۵۵ و فتح الباری ج۱۳ ص۲۲۸) اور حدیث بھی لاتے تھے

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت کو مضبوطی کے ساتھ تمسک کرنے کا جو حکم ارشاد فرمایا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:۔

یاایھا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابداً کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم (الحدیث) (مستدرک ج۱ ص۹۳ و سنن الکبری ج۱۰ ص۱۱۴)

کہ اے لوگو! بیشک میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

اس سے زیادہ وزن دار الفاظ میں کتاب وسنت کی پابندی کے بارے میں آپ اور کیا ارشاد فرماتے! حجۃ الوداع سے بڑھ کر اور کس موقع پر فرماتے؟ اور ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک مجلس اور مبارک محفل کے علاوہ اور کس سے ارشاد فرماتے؟ ایک طرف تو آپ نے کتاب اللہ پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ سنت پر پابند رہنے کی بھرے مجمع میں تاکید اور تلقین فرمائی اور دوسری طرف "تارکِ سنت" کے حق میں وعید شدید ارشاد فرمائی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (المتوفاۃ ۵۷ھ) سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھ قسم کے آدمیوں پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر لعنت برستی ہے آخر میں فرمایا کہ:۔

والتارک لسنتی (مستدرک ج۱ ص۳۶ قال الحاکم والذہبی صحیح)

ایک ان میں میری سنت کا تارک بھی ہے

باوجود ان دلائل کے کچھ ملحد اور فریب خوردہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان سنت وحدیث پر نہیں اور ہم اس کے ماننے کے پابند نہیں ہیں (معاذ اللہ)

غرضیکہ بمقتضائے آیت کریمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم فرائض میں تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیم کتاب اللہ اور تعلیم حکمت وسنت بھی تھی۔ اور اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرماکر مومنوں پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اور آپ کی بدولت سارے جہان کو علم واخلاق کے گراں مایہ موتیوں سے منور کیا ہے۔ حتیٰ کہ عالم کا کوئی سا خطہ بھی آپ کی عمدہ تعلیم سے مستغنی نہیں ہے۔ ؎

کتنا عالمگیر تھا تبلیغ الفت کا فروغ
گوشے گوشے میں جہاں کے روشنی ہونے لگی

ضلالِ مبین

قرآن مجید نے اپنے معجزانہ اور بلیغانہ الفاظ میں ایام جاہلیت کی پوری داستان اور روئے زمین پر بسنے والی اقوام کی اخلاقی پستی کا خاکہ یوں کھینچا ہے۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آفتاب نبوت کے طلوع ہونے سے پہلے سارے جہان میں شبِ ظلمت تھی۔ دنیا کا چپہ چپہ ذمائم وقبائح کا گہوارہ تھا بجز معدودے چند نیک دل حضرات کے پوری سطح ارضی پر کہیں بھی اخلاق ومحاسن کا وجود نہ تھا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تعلیم مفقود تھی۔ توحید خالص اور فکرِ آخرت عنقا تھی، شرافت و دیانت ناپید تھی،

شرم وحیا کا فقدان تھا، روحانیت اور للّٰہیت نابود تھی۔ عرب وعجم وچین وجاپان ہندوسندھ، یورپ وایشیا کوئی ملک خرابیٔ حال سے مستثنیٰ نہ تھا۔ مظلوم ومقہور انسان ظلم وستم اور مصائب ونوائب کے گراں بوجھ کے نیچے دب گیا تھا اور بزبانِ حال یوں کہتا تھا ؎

شبِ تاریک وبیم موج وگردابِ چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبک سارانِ ساحل رہا

متمدّن اقوام

اُس وقت کی متمدّن اور مہذّب اقوام میں مصر ویونان اور روم سرِفہرست میں مگر ان کے ہاں سُورج، چاند اور سیّاروں کی خدائی تھی اور انہی کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور بے زبان جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ مٹی، سونے، چاندی اور جواہرات کی پرستش اور پوجا عام تھی۔ توحیدِ خالص اور خدا پرستی کا نُور دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، مجسّموں، شہیدوں، دلیوں اور بزرگوں میں چھپ گیا تھا۔ استعانت اور استمداد، نذریں اور سجدے، کواکب وہیاکل اور ثوابت وسیّارات کی نذر ہو گئے تھے خدائی اختیارات وصفات غیراللہ کو الاٹ کرا دیے گئے تھے (معاذاللہ)۔ عقل وخرد کو مجاورانِ اصنام واوثان پر صدقہ کر دیا گیا تھا۔ بُت کدے اور صنم خانے تو آباد تھے مگر دل کی اُجڑی ہوئی بستی عرفانِ ربِ حقیقی سے نابلد تھی۔ اگر بگاڑ اور بغاوت تھی تو صرف ایک پروردگار سے۔ اگر بے پروائی اور استغناء تھی تو خدا تعالیٰ کے سچے نبیوں سے.... باقی تمام دُنیا سے صلح وآشتی تھی، ان کی منحوس پیشانیاں شمس وقمر اور بحر وبر

کے سامنے تو جھکنے پر نازاں تھیں، لیکن خالقِ کائنات کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے شرماتی اور ابا کرتی تھیں۔ وہ اپنے فلسفہ اور منطق، حکمت اور قانون سازی کی راہ سے اقوامِ عالم پر اپنا سکّہ تو بٹھا گئے، پر اپنے دلوں میں محبّت خداوندی اور اطاعتِ رُسل کو جگہ نہ دی، اور اس کے سوا رضائے الٰہی کس کو حاصل ہو سکتی ہے؟ ؎

ترے در کے سوا ان کو کہیں سے کچھ نہیں ملتا
طلب ہے جن کو نصرت مانگنے سے عار ہے مولیٰ

ایران کے مجوسی

ایران کی سلطنت اپنے دوَر میں ایک منظم حکومت اور سلطنت تھی اور زمین کے بیشتر حِصّہ پر ان کا قبضہ اور تسلّط تھا۔ کجکلاہِ ایران کا شہرہ آفاق میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن بایں ہمہ اقتدار وشہرت، اخلاقی وروحانی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان میں ایک گروہ نے بزعمِ خویش نیک نیّتی اور اخلاص سے بدی کو ختم کرنے کا منصوبہ اور طریقہ یہ اختراع کیا کہ عزلت گوشہ نشینی اور ترکِ ازدواج کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ خود بخود نسلِ انسانی ختم ہو جائے اور بدی کا اس طرح خاتمہ ہو کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ (تاریخ غرر، اخبار الفرس ص۵۰۲ از ثعالبی، طبع پیرس) گویا احساسِ کمتری نے ان کو بجائے اصلاحِ حال کے باغِ دنیا کے اجاڑنے پر آمادہ کیا۔ مگر جب تک باغبانِ ازلی کو یہ گلستان باقی رکھنا منظور ہے کون اس کو اجاڑ سکتا ہے۔ کیونکہ ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہو۔

اور مملکتِ ایران ہی میں ایک اور طائفہ جس کا پیشوا مزدک تھا قوم کی برتری اور بہبودی کا یہ جذبہ اور ولولہ لے کر اٹھا کہ بدی کے اسباب بالعموم تین ہیں: زن، زر، زمین اس لیے

یہ نظریہ قوم کے سامنے پیش کرنا چاہیئے کہ عورت و دولت کسی کی خاص نہیں اور یہ حد بندی کہ بعض عورتوں سے نکاح درست اور بعض سے حرام ہے قابلِ عمل نہیں جس مرد کا جس عورت سے جی چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اور نتیجہ ظاہر ہے کہ اس دل پسند نظریہ کو مردوں اور عورتوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا (عزر صـ ۵۹۸)

پھر کیا تھا۔ باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو زوجیّت میں لے لینا اور دل کی اُمنگیں نکالنا اور دن رات رنگ رلیاں منانا اور عیش کوشی کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ (عزر صـ ۲۷)

اور عوام تو کیا خواص اور بادشاہوں تک اس حیا سوز حرکت میں آلودہ تھے جن کے لیے حسین ترین عورتوں اور شاہزادیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ چنانچہ شاہِ ایران یزدگرد ثانی نے سنہ ۵ ء میں اپنی لختِ جگر اور نورِ نظر بیٹی سے عقد نکاح کیا اور بعض خانگی مصالح کے پیشِ نظر اُسے قتل کر دیا۔ (مؤرخوں کی تاریخ عالم ج ۸ صـ ۴۸)

اور اس بے حیائی کے باطل نظریہ نے بعض اہلِ عرب کو بھی متاثّر کیا چنانچہ لقیط بن زرارہ نے جو ایک خالص عربی تھا اپنی بیٹی دختنوس سے نکاح کیا تھا۔ محاضرات ج ۱ صـ ۳۱)

اِس سے بڑھ کر وقاحت اور کمینگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ نہ ماں کا لحاظ ہو اور نہ بیٹی کا، نہ دادی اور نانی کا پاس ہو اور نہ پوتی اور نواسی کا، نہ بہن اور بھتیجی کا خیال ہو اور نہ پھوپھی اور بھانجی کا۔ اور صدیوں اس حیا سوز نظریہ پر عمل ہوتا رہا جو انسانیت کی روشن پیشانی پر کلنک کا بدنما داغ ہے اور شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ؎

منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو
مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حـ ـلال ہو

یہود

یہ اربابِ علم اور اصحابِ کتاب کا وہ تقدس مآب طبقہ تھا جو نہ صرف حضرت عزیر علیہ السّلام احبار اور رہبان کو جملہ خدائی اختیارات سونپ کر ارباب بنائے ہوئے تھا بلکہ خود بھی اس کا مدعی تھا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ کہ ہم بھی خدا تعالیٰ کے بیٹے اور اسکے پیارے اور لاڈلے ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ پروردگارِ عالم نے ہزاروں انبیاء اور رُسل علیہم الصّلوٰۃ والسلام ان میں مبعوث فرمائے۔ انہیں اپنی کتابوں اور صحیفوں سے نوازا۔ ظاہری اور باطنی حکومتیں مرحمت فرمائیں۔ جسمانی اور روحانی نعمتوں سے مالا مال کیا۔ سینکڑوں حسّی معجزات سے ان کی آنکھیں منوّر کیں۔ قوی سے قوی دشمن پر بھی ان کو فتح و نصرت عطا کی اور اپنے دور میں بیشتر اقوام پر ان کو فضیلت عنایت فرمائی۔ لیکن جب ان کی بدقسمتی اور بداعمالی کی وجہ سے نحوست کا دور شروع ہوا تو انہوں نے بدی کے کسی پہلو میں کوئی کسر نہ چھوڑی، شرک و بدعت کو دینِ حق ثابت کیا اور خدا تعالےٰ کے معصوم رسولوں اور نبیوں کے ناحق خون سے اپنے ظالم ہاتھ رنگین کئے۔ کتبِ الٰہی میں تحریف لفظی و معنوی کا سنگین جرم کیا اور حضرت نوح علیہ السّلام پر مے نوشی اور برہنگی کا الزام عائد کیا۔ (تورات پیدائش باب ۹ آیت ۲۱) اور بلا استعارہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے رات بھر خدا تعالےٰ کی کُشتی لڑوائی۔ (پیدائش باب ۳۲، آیت ۲۴ تا ۳۰)

حضرت لوط علیہ السّلام کی دو بیٹیوں پر اپنے باپ کو شراب پلا کر اُن سے زنا کر کے نسل کو باقی رکھنے کی انسانیت سوز حرکت ان کے سر تھوپی۔ (پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸)

حضرت داؤد علیہ السّلام پر اپنی پڑوسن کو زنا سے حاملہ کرنے کا اخلاق کُش فعل

عائد کیا اور پھر اس کے خاوند کو ان کے معصوم ہاتھوں سے قتل کروا ڈالا۔ (۲ سموئیل۔ باب ۱۱ آیت ۲ تا ۷) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف غیر معبودوں کی طرف مائل ہونے اور عورتوں کے عشق میں آلودہ ہونے اور بدی کی قبیح اور مذموم حرکت منسوب کی۔ (۱ سلاطین باب ۱۱ آیت ۱ تا ۱۱)

الغرض خدا تعالیٰ کے معصوم نبیوں پر وہ الزامات تراشے کہ الحفیظ والامان۔ یہود نے حدودِ الٰہی میں تفریق کی کہ ضعیفوں پہ قانون لاگو کیا اور امیروں کو چھٹی دے دی (بخاری ج ۲ صـ۱۰۰۳) رجم کے مسئلہ کا اخفاء کیا (بخاری ج ۱ صـ۵۱۳)۔ سودی کاروبار اُن کا عزیز پیشہ تھا اور رہن ان کا مرغوب مشغلہ تھا، حتّٰی کہ مفلسوں اور ناداروں کی عورتوں اور بچوں تک کو رہن رکھنے سے نہ چوکتے تھے۔ (بخاری ج ۲ صـ۵۷۶) معصوم بچوں کو دو چار روپے کے معمولی زیور کے لیے جان سے مار ڈالتے تھے (بخاری ج ۲ صـ۱۰۱۱) بازاروں میں عورتوں کی عصمت دری کرتے تھے (سیرت النبیؐ ج ۴ صـ۲۱ از سید سلیمان ندویؒ) اور ان کے مذہبی اور روحانی پیشوا ایک دینار اور اشرفی کے لیے غریبوں کے ساتھ مکر و خداع اور ہیرا پھیری سے باز نہ آتے تھے چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ قرآنِ پاک میں یوں آتا ہے :-

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۝ (پ ۳۔ آل عمران ۔ ۷۵)

اور بعض اُن میں وہ ہیں کہ اگر تو اُن کے پاس ایک اشرفی امانت رکھے تو نہ ادا کریں تجھے مگر جب تک رہے تو اس کے سر پہ کھڑا۔

اور راشی تو اس قدر تھے کہ شاید ہی ان کا کوئی نظیر ہو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو فتح خیبر کے بعد وہاں کی پیداوار کا محصّل بنا کر بھیجا تو یہودِ خیبر نے

بطور رشوت ان کے سامنے عورتوں کے زیورات پیش کیے تا کہ وہ معمولی حصّہ لے کر ان کو چھوڑ دیں۔ مگر حضرت ابنِ رواحہؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! اے گروہ یہود! تم میرے نزدیک خدا کی ساری مخلوق سے مبغوض ترین ہو لیکن مع ہٰذا میں تم پر ظلم کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ باقی جو رشوت تم نے پیش کی ہے تو اس کو واپس لے جاؤ۔ ہم حرام اور سحت کھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہود نے سُنا تو بے ساختہ بول اُٹھے کہ :-

فَقَالُوْا بِهٰذَا قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ (موطا امام مالک صـ۲۹۳)

اسی عدل و انصاف کی بدولت آسمانوں اور زمینوں کا نظام قائم ہے۔

الحاصل کہاں تک ان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا ذکر کیا جائے۔ کوئی قباحت اور بُرائی ایسی نہ تھی جس کو انہوں نے اپنے گلے کا ہار نہ بنا لیا ہو اور کوئی بھی اور شرافت ایسی نہ تھی جس کو درپردہ اُنہوں نے خیرباد نہ کہا ہو۔ ہاں البتہ ظاہرداری کے لیے کچھ برائے نام اخلاق اور مفیدِ مطلب اعمال پر وہ کاربند تھے تاکہ قوم کی طرف سے وظائف اور جاگیریں، تحائف اور نذرانے بند نہ کر دیے جائیں اور ان کے ظالم اور دوزخ نما پیٹ پر زد نہ پڑے اور ان کے مذہبی اور سیاسی مقتدا اس کی سعی اور کوشش کرتے تھے کہ ان کی گھناؤنی اور قابلِ صد نفرین زندگی کا راز کسی پر افشا نہ ہو۔ مگر اس سے کیا حاصل؟ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ ؎

اثر جوشِ نمو کا جب ہوا کرتا ہے بے پردہ
ہوائیں خود بدل دیتی ہیں تقدیرِ گلستاں کو

عیسائی

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے دین پر چلنے والے نصرانی اور عیسائی جنہوں نے زمین و آسمان کی بہت سی برکات سے تمتع کیا تھا اور انجیل جیسی پند و موعظت سے پُر کتاب کے محافظ اور مبلّغ قرار پائے تھے۔ کچھ عرصہ تو اپنے آسمانی دین پر کاربند تھے مگر خواہشِ نفسانی اور ابتداع کا اثر ان پر بھی غالب ہوگیا اور بالآخر وہ دو حصّوں میں بٹ گیا۔ ایک تو وہ طبقہ تھا جو مذہب کے نام پر جُہلا اور اُمرا سے خوب لُوٹ گھسوٹ کرتا اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت و ثروت کما کر لہو و لعب اور عیاشی اور تن آسانی پر اُڑاتا اور جتنی غذائیں راہبوں اور پادریوں کے دسترخوانوں پر رہتی تھیں، اتنی بادشاہوں اور رئیسوں کو بھی کبھی نصیب نہ ہوتی تھیں اور جن کی زندگی کا مقصد ہی زیستن برائے خوردن معلوم ہوتا تھا (ملاحظہ ہو سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن کا مقدمہ صفحہ ۲۶)

ایک مرتبہ ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے پادریوں کا ایسا مُہلک اور اخلاق سوز اختلاف و مقاتلہ شروع ہوا کہ صرف ایک ہی دن میں ۱۳۷ آدمی کام آئے (بحوالۂ مذکور) اس سے اُن کی حُبِّ جاہ اور ہوسِ اقتدار کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے اور اُن کی جنسی ناہمواری کا حال ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ ہلیشیا نامی ایک نوجوان اور خوبصورت عورت درسگاہ سے واپس آرہی تھی کہ پادریوں نے اُسے پکڑا اور برہنہ کیا اور سڑک پر گھسیٹا اور پھر بدنامی کے ڈر سے کلیسا میں لے جاکر پیٹر کی بابرکت گرز سے اس بے چاری کا خاتمہ کیا اور ہڈیوں سے اس کا گوشت جُدا کرکے اس کی نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے نذرِ آتش کردیا۔ (گبن جلد ۳ صفحہ ۲۳)

اگر وقت کی وہ حسینہ عالم ان میں سے ایک ایک کے دل کو یہ کہتے ہوئے

بہلاتی کہ دل نے تجھے مان لیا، تو شاید اس مظلومہ کا یہ حشر نہ ہوتا اور ان مذہبی درندوں کے ہاتھوں اس کی یوں تحقیر و تذلیل اور اہانت نہ ہوتی۔ مگر اُس نے اپنی جانِ عزیز کو اپنی عصمت و ناموس پر قربان کرکے باحیا عورتوں کیلیے ایک اچھی مثال قائم کردی کہ ؎

میری بربادیوں پر ہنسنے والے ۔۔۔ اب اس کے بعد تیرا امتحاں ہے

عیسائیوں کا دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھاری ذمہ داری اور لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے بوجھل کام سے گلو خلاصی کی یہ من بھاتی راہ نکالی کہ اپنے اہل و عیال اور اعزّہ و اقارب سے یکسر علیٰحدگی اختیار کرکے جنگلوں میں راہبانہ و متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر اکتفا کرلی اور وہ درختوں کے پتّے اور جڑی بُوٹیاں کھا کھا کر اپنا وقت پاس کرتا رہا اور بعض نے بھیڑ اور بکری کے دُودھ پر گذر اوقات کی اور بخیالِ خویش اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کا تقرّب اور رضا حاصل کرتا رہا لیکن وہ اپنی ان گمنام خانقاہوں اور زاویہ خمول میں پڑے ہوئے سجادوں پر راہبانہ ضربوں اور رسیلے نغموں کی دُھن سے بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ کیونکہ دنیا کی حالت بجائے سنورنے کے اور بگڑ گئی۔ یہاں تک کہ خود ان کے اہل و عیال بھی بدی اور بدعقیدتی کے بھنور میں اُلجھ کر رہ گئے اور ان کے خویش و اقارب اور اہلِ زمانہ برائی کے دلدل میں پھنس گئے اور ضلالت و گمراہی کے ایسے عمیق گڑھے میں جا پہنچے جہاں سے ان کا نکلنا امرِ محال ہوکر رہ گیا اور یہ راہب و صوفی اپنے گرجوں اور خانقاہوں میں رہبانیت کا لبادہ اوڑھے رہے اور مخترع چلّہ کشیوں میں عمریں صرف کردیں اور اس کی فکر اور خیال ان کو مطلقاً نہ رہا کہ قوم اور اہل و عیال پر کیا بیت رہی ہے اور ان پر بداعمالی اور بداخلاقی کے سیاہ اور گھنگور بادل کس طرح چھائے ہوئے ہیں اور ظلم و عدوان کی بجلیوں نے کس طرح ان کے خرمنِ انابت کو جلا کر خاکِ سیاہ

کر دیا ہے اور خواہشاتِ نفسانی کا ان پر کس طرح استیلاء ہے۔ ان راہبوں نے ان تمام
حقائق سے اغماض کر کے صرف اپنی خانقاہوں اور حجروں کو محفوظ رکھا۔ ؎

یہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دھن تراشتے رہے
نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

اہلِ ہند

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وہ بابرکت زمین ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا
آسمان سے نزول ہوا تھا۔ گویا اس لحاظ سے ہندوستان کی زمین وہ اشرف قطعہ ہے جس کو
سب سے پہلے نبی کے مبارک قدموں نے روندا جس پر ہزارہا سال گذر چکے تا آنکہ نبی آخر الزمان
کی بعثت کا دور نزدیک ہوا۔ اس وقت سرزمین ہند میں بدکرداری اور اخلاقی پستی اور دنائت کا
یہ عالم تھا کہ مندروں کے محافظ اور مصلحینِ قوم بداخلاق کا سرچشمہ تھے، جو ہزاروں اور لاکھوں
ناآزمودہ کار لوگوں کو مذہب کے نام اور شعبدہ بازی کے کرشموں سے خوب لوٹتے اور مزے سے عیش اڑاتے
تھے۔ (آر۔ سی۔ دت۔ ج ۳ ص ۲۸۳) راجوں اور مہاراجوں کے محلات میں بادہ نوشی کثرت سے
رائج تھی اور رانیاں حالتِ خمار میں جامۂ عصمت و ناموس اتار ڈالتی تھیں۔ (ایضاً ص ۲۴۳)
سڑکوں اور شاہراہوں پر آوارہ گرد اور جرائم پیشہ افراد کا ہر وقت مجمع لگا رہتا تھا۔
(ایضاً ص ۲۴۹)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی شریف انسان اور خصوصیت سے باحیا
عورتوں کا وہاں سے گزرنا وبالِ جان سے کم نہ تھا اور ہر وقت جان و عزت کا خطرہ
درپیش رہتا تھا۔ دیوداسیوں اور عورتوں کی بداخلاقی اور جنسی جنون کی دل سوز حرکات
اور حالات پڑھنے اور سننے سے بھی شرم محسوس ہوتی ہے اور کوئی شریف اور باحیا انسان ان

کو پڑھنے پر اپنے نفس کو آمادہ نہیں پاتا۔ اِلّا یہ کہ دل پر جبر کر کے پڑھے تو بات اور ہے۔
(ملاحظہ ہو سفرنامہ ابوزید رہ ص ۱۳۰ اور احسن تقاسیم مقدسی رہ ص ۴۸۲)

جوا اس حد تک رائج تھا کہ سونے اور چاندی کے سکے اور زیورات کا تو کیا کہنا عورتیں
بھی جوئے میں ہاری جاتی تھیں اور ازدواجی تعلقات میں ایسی بے راہ روی اختیار کر لی
گئی تھی کہ ایک ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے اور ان کی روحانیت کا یہ حال تھا
کہ بعض فرقوں میں عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے ان کی شرمگاہوں کی پوجا
کرتے تھے۔ (ستیارتھ پرکاش سمولاس گیارہ ص ۳۶۷ طبع لاہور) شاید وہ یہ خیال کرتے ہوں
گے کہ شرمگاہ ہی دنیا کی جڑ اور منبعِ نسلِ انسانی ہے، لہٰذا اس بابرکت اور کثیر المنفعت
چیز کی پوجا کیوں نہ ہو؟ اور ایسے مردوں اور عورتوں کے ان کے نزدیک خاص القاب
ہوتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"اور جب کسی عورت یا دیشیا کو یا کسی مرد کو ننگا کر کے اور ان کے ہاتھ میں تلوار
دے کر ان کی جائے نہانی کی پرستش کرتے ہیں تو عورت کا نام دیوی اور مرد کا نام مہادیو
رکھتے ہیں۔" (ستیارتھ پرکاش ص ۳۶۸)

شوہر کے مرنے پر بعض عورتوں کو خود ان کے باپ اور بھائی اعزہ و اقارب زندہ
نذرِ آتش کر دیتے تھے اور اس شنیع کارروائی کو اپنی اصطلاح میں وہ ستی کہتے تھے اور
اس کی حکمت اور فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ یہ عورت اپنے خاوند کے فراق کو گوارا نہیں
کر سکتی اور اس کی محبت و الفت میں اپنی جانِ عزیز کو اس پہ قربان کر دینے کے لیے
بطیبِ خاطر رضامند ہے۔ ممکن ہے بعض شوریدہ سر عورتیں اس قومی اور آبائی رسم
کی وجہ سے اس کو قربانی ہی تصور کرتی ہوں مگر حتی الوسع موت کو کون پسند کرتا ہے؟!

ان کی اس ظالمانہ رسم کا بعض مسلمان اور خدا رسیدہ صوفی شاعروں نے بھی تذکرہ کیا ہے حضرت امیر خسروؒ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

خسروا در عشق بازی کم زہندو زن مباش
کاں برائے مُردہ سوزد زندہ جانِ خویشتن

اور جناب بیدل پشاوری، یوں کہتے ہیں کہ ؎

باتو میگویم مباش اے سادہ دِل ہندو پسر
در طریقِ جاں سپاری کم زہندو دخترے

اور برہمنوں نے اپنی قلبی تسکین اور سہولت کے لیے یہ چند نفس پسند قوانین وضع کئے اور تراشے تھے ۔

(ا) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزائے موت نہیں دی جاسکتی ۔

(ب) کسی اُونچی ذات کا مرد اگر کسی نیچی ذات کی عورت سے زنا کرے تو کوئی حرج نہیں ۔

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا میں معمولی جرمانہ کافی ہے ۔

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھوئے اور ہاتھ لگا دے تو اس کی سزا موت ہے ۔

(ہ) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں ۔ اور اگر اس کو گالی دے تو اس کی زبان قطع کر دینی چاہیئے اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعوےٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیئے ۔

(آر۔سی۔ دت کی قدیم ہندوستان ص۲۹۲)

یہ اصُول و ضوابط اور قوانین تھے ۔ اہلِ ہند کے جس میں اچھوت اقوام کے لیے خیر خواہی کا ادنیٰ جذبہ اور اُن کی ہمدردی کا ایک حرف بھی موجود نہ تھا ۔ جو زبانِ حال شاید برہمنوں کے ان خود ساختہ ملکی اور قومی قوانین پر آنسو بہاتے ہوئے یہ کہتے ہوں گے ۔ ؎

تم جو پڑھتے ہو نوشتہ وہ نوشتہ کیا ہے؟
جس میں ایک حرفِ وفا بھی کہیں مذکور نہیں

اہلِ عرب

ان میں بیشتر خاندان حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے جن کو آبا و اجداد کی طرف سے بہترین خالص توحیدی دین عطا ہوا تھا اور خاندانِ قریش خصوصیت سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔ ان کی اسی برتری کی وجہ سے وہ کعبۃ اللہ اور مسجد الحرام کے متولّی اور پاسبان قرار پائے تھے ۔ عرصہ تک وہ صحیح دین پر قائم تھے ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے تقریباً تین سو سال قبل ایک شقیِ ازلی عمرو بن لحی نے عرب میں بُت پرستی رائج کر دی اور لوگ اپنی جہالت اور عاقبت نااندیشی کی بدولت بت پرستی اور شرک کے مُہلک جرم کے مُرتکب ہوگئے ۔ ہر قبیلہ اور خاندان کا معبود اور بُتِ مستعان اور حاجت روا جُدا تھا ۔ گھر گھر بُت پرستی تھی ۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ کے پاک گھر کعبۃ اللہ میں انہوں نے تین سو ساٹھ بُت نصب کر دیئے تھے جن میں خصوصیت سے حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت مریم اور حضرت عیسٰی علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے مجسّمے قابلِ ذکر ہیں اور اللہ تعالےٰ کے اس پاک گھر کو انہوں نے معاذ اللہ صنم کدہ

بنا رکھا تھا اور مذہبی اعتبار سے وہ یہاں تک جنون زدہ ہو گئے تھے کہ قریش کے علاوہ باقی لوگ بالکل برہنہ اور مادر زاد ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی معمولی سا چیتھڑا اپنی شرمگاہ پر باندھ دیتی تھیں اور باقی ہمہ تن برہنہ ہو کر طواف کرتیں اور ساحرانہ و مستانہ آواز سے یہ گاتی جاتی تھیں ؎

الیوم یبدو بعضہ او کُلُّہٗ

فما بدا منہ فلا احلہ (مسلم ج ۲ ص ۴۲۲)

یعنی آج کے دن بدن کا کچھ حصّہ برہنہ ہو یا سب، سو جتنا بھی ظاہر ہو میں اس کو کسی کے لیے حلال نہیں سمجھتی۔

جب مکّہ مکرّمہ فتح ہوا اور بلد امین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے زیر اثر آگیا تو آپ نے اعلان کروایا کہ کوئی مشرک اور برہنہ کعبۃ اللہ کا طواف نہیں کر سکتا۔ اور ۹ھ میں تو باقاعدہ کئی دن تک حضرت ابوبکر رضؓ کی قیادت میں اس کا اعلان ہوتا رہا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۲)

اہلِ جاہلیت کچھ اس قسم کے عجائب پسند، ضعیف الاعتقاد اور وہم پرست ہو گئے تھے کہ ان کے واقعات پڑھ کر کوئی متین اور سنجیدہ آدمی تعجّب اور حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سانپ کو اس ڈر کے مارے وہ نہ قتل کرتے تھے کہ اس کا جوڑا ہمیں آکر ڈسے گا اور ہلاک کر دے گا۔ ان کے اس باطل عقیدہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ردّ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ:۔

اقتلوا الحیات کلّھن فمن خاف ثارھن فلیس منّی (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵۶)	سب سانپوں کو قتل کیا کرو جس شخص نے ان کے انتقام کے ڈر سے انکو چھوڑ دیا تو وہ میرا نہیں ہے

اور وہ یہ خیال بھی کرتے تھے کہ جب کسی مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی روح ہامہ اور اُلّو بن کر واویلا مچاتی ہے اور ان کا یہ زعم بھی تھا کہ پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جو غلبۂ بھوک کے وقت کاٹ کھاتا ہے اس لیے وہ بھوک کے وقت بلا امتیاز حلال و حرام اور بدوں تمیزِ طیّب و خبیث جو کچھ بھی ملتا کھا جاتے تھے۔ اور پرندوں سے شگون لیتے تھے اور ان تمام بے اصل اوہام کو جناب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرماتے ہوئے ردّ کیا کہ ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر (بخاری ج ۲ ص ۸۵۷ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۹۱)

ان کی وہم پرستی کا اندازہ کیجیئے کہ جب ان کے پاس اونٹنی دس بچّے جن چکتی تو پھر اس کو چھوڑ دیتے اور اس سے کوئی کام نہ لیتے اور جب ایک ہزار اونٹ اُن کے پاس جمع ہو جاتے تو ایک اُونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتے تھے تاکہ نظرِ بد نہ لگنے پائے۔ جب سفر پر جاتے تو کسی درخت پر گرہ لگا دیتے تاکہ ان کی غیر حاضری میں بیوی اگر خیانت کرے تو پتہ چل جائے۔ اس کی حکمت تو وہی سمجھتے ہوں گے کہ درخت کی شاخوں وغیرہ کی گرہ اور بیوی کی خیانت کا کیا ربط و تعلّق ہے۔ اور اگر کہیں راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹ دیتے تاکہ راستہ معلوم ہو جائے۔

(بلوغ العرب و اطوار العرب)

ضعیف الاعتقادی میں اُن کا یہ نظریہ پیدا ہو گیا تھا کہ جو شخص عزّیٰ کو گالی دے وہ برص اور جذام کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (مسند دارمی ص ۸۹)

ظلم اور درندگی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ زندہ اُونٹوں اور دُنبوں کی کوہانیں اور چکیاں کاٹ کاٹ کر کھا جاتے تھے اور زندہ جانوروں کو درختوں سے باندھ کر

تیر اندازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ لڑائی میں عورتوں کا پیٹ چاک کر دیتے اور مقتولوں کی ناک کاٹ دیتے اور دشمن کی کھوپڑی میں شراب پیتے اور دشمن کی عورتوں کو گھوڑے کی دُم سے باندھ کر گھوڑا دوڑا دیتے اور اس ظالمانہ طریقے سے اُن کی جانیں ضائع ہو جاتیں، دشمن کو قید کر کے آب و دانہ بند کر دیتے اور اس فعل کو وہ صبر کہتے تھے۔ لڑائی کے موقع پر دشمن کو آگ میں جھونک دیتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو وراثت کے جائز اور فطری حق سے محروم کر دیتے تھے لڑائی میں جب عورتیں قابو آ جاتیں تو اگر صلح بھی ہو جاتی تب بھی ان کے ناموس بالکل برباد ہو چکے ہوتے۔ خون کو جما جما کر اس کی قاشیں تراش تراش کر کھا لیتے، مردہ جانوروں کو کھا جاتے۔ چمڑے کو بھون کر کھا جاتے اور اس قسم کی بے شمار خرابیاں اور بدیاں اُن میں رائج تھیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رح (المتوفی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء) نے سیرت النبی جلد چہارم میں اس پر کافی بحث کی ہے۔

حضرت عمر رضہ کے عہد میں مجاہدین اسلام جب کسریٰ کے مقابلے میں نکلے تو کسریٰ کے ایک فوجی جرنیل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اِن مسلمانوں سے دریافت کرے کہ ان میں سے ایک آدمی میرے ساتھ گفتگو کرے۔ حضرت مغیرہ رض بن شُعبہ نے فرمایا کہ پوچھ کیا پوچھتا ہے۔ اُس نے تحقیر کے لہجہ میں کہا کہ تم کیا ہو؟

فرمایا کہ :-

نحن ناس من العرب كنّا في شقاء	ہم عرب کے لوگ ہیں جو انتہائی بدحالی اور
شديد وبلاء شديد نمصّ الجلد	بے حد مصیبت میں مبتلا تھے۔ بھوک کی وجہ سے

والنوى من الجوع ونلبس الوبر	ہم چمڑے اور کھجور کی گٹھلیاں چوسا کرتے تھے اور
والشعر ونعبد الشجر والحجر فبينا	ہم اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں کا لباس
نحن كذٰلك اذ بعث رب السمٰوٰت	پہنتے تھے اور درختوں اور پتھروں کی عبادت
ورب الارضين الينا نبيًّا من انفسنا	کیا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں آسمانوں اور زمینوں
نعرف اباه وامه الحديث (بخاری ج ۱ ص ۴۴۶)	کے پروردگار نے ہم میں ہماری ہی جنس سے
	ایک نبی مبعوث کیا جس کے باپ اور ماں کو
	ہم بخوبی پہچانتے ہیں۔

نوٹ:- درختوں اور پتھروں کی عبادت کا مطلب راقم کی کتاب "گلدستۂ توحید" میں ملاحظہ کریں۔

تقدیر پر ایمان

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال و احکام پر ایمان لانا ضروری ہے اور جس طرح فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانا لابدی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سارے نبیوں پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح عقیدۂ تقدیر پر ایمان لانا بھی فرض اور نہایت لازمی امر ہے کہ دنیا میں جو کچھ خیر و شر، راحت و کلفت، خوشی و غمی، موت و حیات، فقر و غنیٰ، شاہی و گدائی، عزت و ذلت، بلندی و پستی، ایمان و کفر، بیماری و تندرستی، نیکی و بدی، اصلاح و افساد، طاعت و عصیان وغیرہ وغیرہ جتنے اُمور معرضِ وجود میں آتے ہیں، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین و آسمان کی خلقت سے تقریباً پچاس ہزار سال پہلے ہی سے لوحِ محفوظ پر لکھے جا چکے ہیں۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹)

اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (پ۱۸ ۔ الفرقان ۔ ۱)

اور پیدا کی اُس نے ہر چیز اور ہر چیز کو اُس نے خاص انداز اور تقدیر سے بنایا ۔

اس سے ثابت اور معلوم ہوا کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انداز اور تقدیر سے پیدا کیا ہے ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آخری ایّام میں جب ایک اعرابی کی صورت میں لوگوں کو ان کا دین سکھلانے کی خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے ایک سوال یہ بھی کیا کہ مَا الْاِيْمَانُ ؟ حضرت بتلایئے کہ ایمان کیا چیز ہے! اور اس کے حدود کیا ہیں ؟ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایمان کی تشریح اور تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :-

وتؤمن بالقدر كلّه (مسلم ج ۱ ص ۲۹)

اور تم ساری تقدیر پر ایمان لاؤ ۔

اس سے واضح ہوا کہ تقدیر کو تسلیم کرنا ایمان کی جزو اور اس کی بنیاد ہے اور بغیر اس کے تسلیم کیے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا ۔ مشہور تابعی حضرت یحییٰؒ بن یعمرؒ (المتوفی ۱۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ بصرہ میں جب معبد جہنی نے یہ فتنہ کھڑا کیا کہ تقدیر کوئی شے نہیں تو ہم نے حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ :-

اذا لقیت اولئك فاخبرهم انی بریٔ منهم وانهم برآء منی والذی یحلف به عبد الله بن عمرؓ لو ان لاحدهم مثل

جب تو ان لوگوں سے ملے تو انکو یہ بتا دینا کہ بلاشبہ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں ۔ عبد اللہؓ بن عمرؓ قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ

احد ذهبا فانفقه ما قبل الله منه حتّٰی یؤمن بالقدر (مسلم ج ۱ ص ۲۷)

اگر تقدیر کے منکروں کے پاس اُحد پہاڑ جتنا بھی سونا ہو اور وہ اس کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اس کو قبول نہ کریگا تاوقتیکہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئیں ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم ، حدیث شریف اور امتِ مسلمہ کا اس پر ناطق فیصلہ اور قطعی اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا فرض اور نجاتِ اُخروی کے لیے لابدی ہے اور منکرین حدیث اور ان کے آرگن طلوعِ اسلام کا یہ باطل اور حیا سوز نظریہ کہ تقدیر کا مسئلہ ایران کے مجوسیوں کا عقیدہ ہے اور مسلمانوں نے اُن سے یہ اخذ کیا ہے ، ایک سراسر جھوٹ ، صریح بہتان اور خالص افترا ہے ۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ مسئلہ تقدیر بڑا پیچیدہ اور مشکل مسئلہ ہے اور محض عقلی ہی نہیں لیکن اس کے اشکال کی وجہ سے انکار کر دینا تو بے دینی اور خالص الحاد ہے ۔ اختصار کے ساتھ اس کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنی وسعتِ معلومات کی بناء پر پہلے ہی سے طے کر دیا ہے اور لوحِ محفوظ پر درج کر دیا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت ہماری دی ہوئی قدرت کے تحت اپنے کسب و اختیار سے یہ اور یہ کرے گا اور اس کسب و اختیار میں اس کو مختار قرار دیا گیا ہے اور اسی پر ثواب و عقاب اور رضا و ناراضگی مرتّب ہوتی ہے ۔ نہ یہ کہ بالکل مجبور محض کو مکلّف بنا کر صرف کٹھ پتلی قرار دے کر سزا میں دھکیل دیا گیا ہے ۔ بقول شخصے ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

آخرت پر ایمان

جیسے گزشتہ بالا عقائد پر ایمان لانا نہایت ہی ضروری اور مدارِ نجات ہے اسی طرح بعث بعد الموت پر ایمان لانا بھی از بس ضروری ہے کہ مرنے کے بعد قبر اور برزخ کی تمام وہ کیفیات برحق ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں آیا ہے اور آج تک اُمّت مسلمان کا اذعان و ایقان کرتی چلی آئی ہے اور اسی طرح حشرِ اجساد، پُل صراط، میدانِ محشر، جنت اور دوزخ کے تمام عقائد کو تسلیم کرنا مومن کے ایمان میں داخل ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس شفاعت و میزان کا مسئلہ اور عقیدہ بھی نصوص قطعیہ اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے جن میں سے کسی ایک ثابت شدہ حقیقت کا انکار اور تاویل بجائے خود کفر ہے ان عقائد و مسائل کی بحث انشاء اللہ العزیز حصہ دوم میں آئے گی۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔

اَحْقَرُ النَّاس
ابو الزّاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ